خلیل جبران

فلسفہ و حکایات

مرتب: حیدر جاوید سید

خلیل جبران

فلسفہ و حکایات
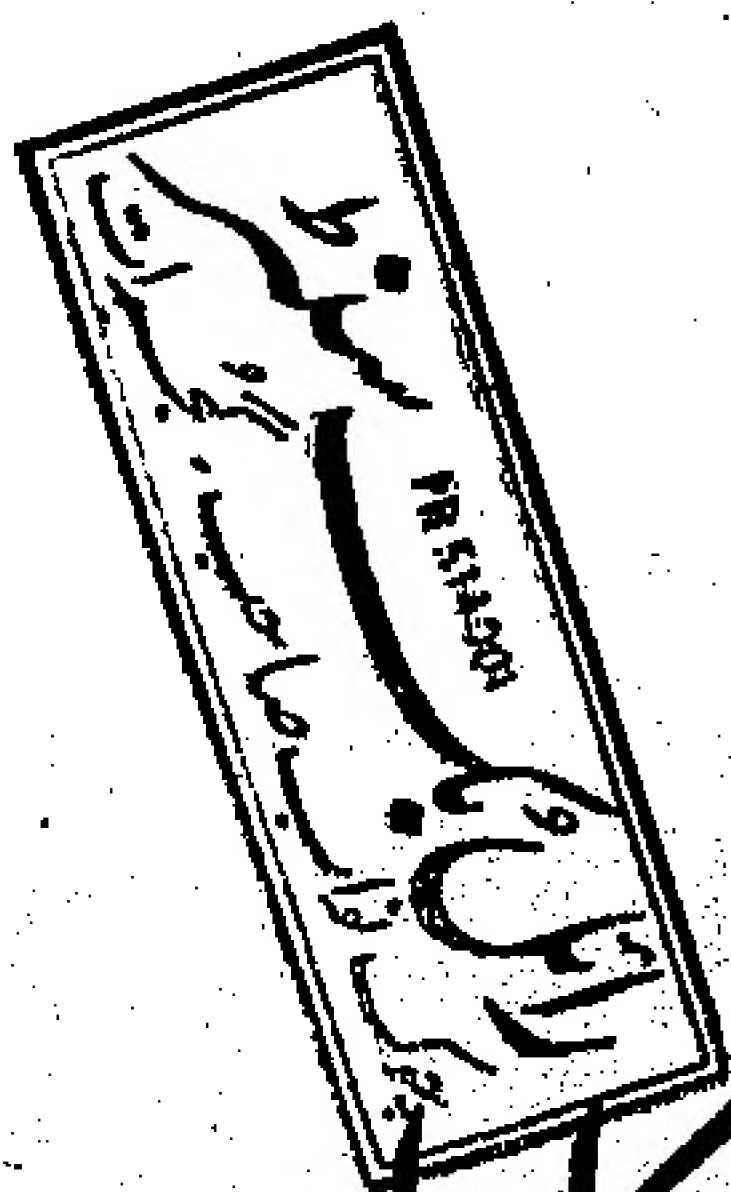
خلیل جبران

فلسفہ و حکایات

خلیل جبران

مرتب: حیدر جاوید سیّد
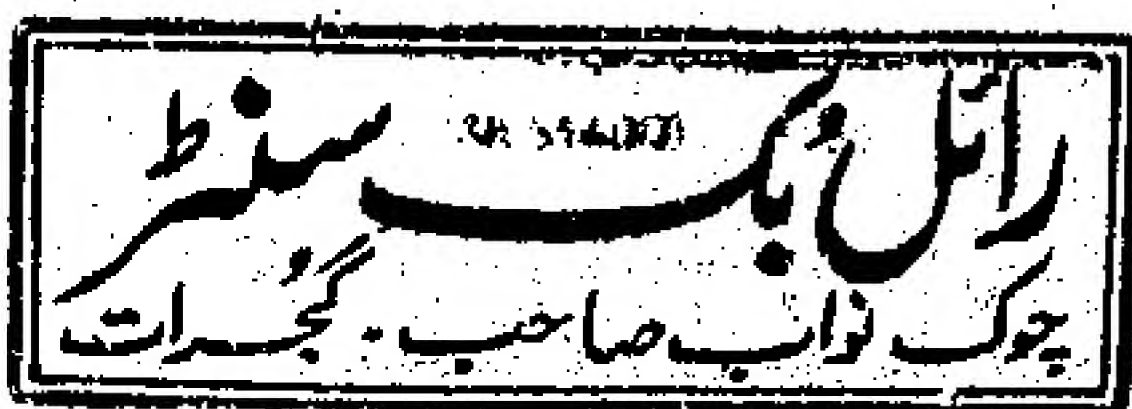
فکشن ہاؤس
18- مزنگ روڈ لاہور
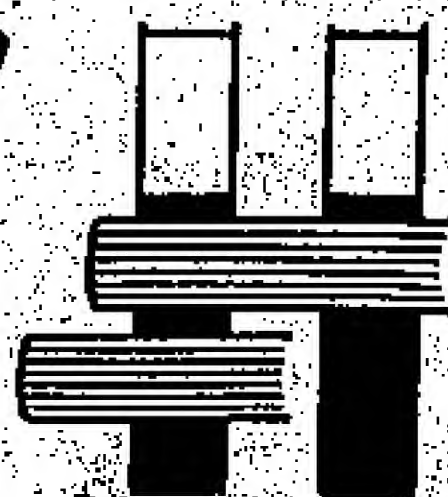
نام کتاب	☜	خلیل جبران: فلسفہ و حکایات
مصنف	☜	خلیل جبران
مرتب	☜	حیدر جاوید سیّد
پبلشرز	☜	فکشن ہاؤس
		18-مزنگ روڈ لاہور
		فون:7249218-7237430
اہتمام	☜	ظہور احمد خاں
کمپوزنگ	☜	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	☜	حاجی حنیف پرنٹرز لاہور
سرورق	☜	عباس
اشاعت	☜	2006ء
قیمت	☜	/-

انتساب!

اپنی بھتیجیوں

غزل عزیز

اور

سیدہ ملیحہ فاطمہ زیدی

کے نام

سانسوں علم اور رزق میں

برکت کی دعاؤں کے ساتھ

فہرست

حکایاتِ خلیل جبرانؔ

پیش لفظ

"فلسفہ و حکایات" میں انسانی سماج کے نبض شناس فلسفی نے سماج کے لوگوں کو تصویر کا دوسرا رخ دکھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ہمہ قسم کی پاپائیت اور استحصال کو انسانیت کے خلاف کھلی جنگ قرار دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"دنیا اپنی ابتدائی فطرت کی طرف لوٹ گئی ہے۔ قوموں نے اپنے علم و فن کی مدد سے جو کچھ بنایا تھا اسے وحشی انسان کی حرص و انانیت نے ڈھا دیا۔ چنانچہ آج ہمارا وہی حال ہے جو غاروں میں رہنے والے انسان کا تھا۔ آج ہمیں ان سے کوئی چیز ممتاز کرتی ہے تو یہ وہی آلات ہیں جو ہم نے تباہی کے لئے ایجاد کئے ہیں یا پھر وہ حکمت و تدبر جسے ہم ہلاکت کے لئے کام میں لاتے ہیں۔"

خلیل جبران کے معترضین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی ہر تحریر کا آغاز ایک خاص صورت حال والے علاقے وہاں کے لوگوں، اور انہیں درپیش مسائل سے کیا۔ کچھ معترضین تو انہیں ملحد و کافر اور نجانے کیا کیا قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان ساری باتوں کے باوجود ان کے پڑھنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ بغور دیکھا جائے تو یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ ان تحریروں اور فکر پر اعتراض کرنے والے وہی ہیں جو پاپائیت اور طبقاتی امتیازات کو عطیہ خداوندی قرار دے کر لوگوں کی اکثریت کو یہ مشورہ دیتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے حالات کو رضائے خداوندی سمجھ کر بس اطاعت کا فرض نبھاتے رہیں۔ تا کہ استحصالی طبقات کے مفادات متاثر ہوں نہ ساجھے داروں کی لگی روٹیاں خطرے میں پڑیں۔

خلیل جبران اپنے عہد کی طرح آج بھی اگر لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں تو اس کی بنیادی وجہ اپنی مٹی سے اٹوٹ محبت ہے۔ ثانیاً یہ کہ وہ انسانی سماج کے سارے طبقات کی بات کرتے اور انہیں درپیش مسائل پر کڑھتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مسائل کا شکار لوگوں کو یہ بھی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسانوں کی برابری کو طبقاتی امتیازات کی بھینٹ چڑھا کر چودھراہٹیں قائم کرنے والے مامور من اللہ ہرگز نہیں۔ یہی وہ کلمہ حق ہے جو وہ آخری سانس تک بلند کرتے رہے۔ اور یہ بھی کہتے رہے کہ "بونے، قہرمانی قوتوں سے لوگوں کو خوف زدہ کر کے خود کو نجات دہندہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔"

یہ صورت حال آج بھی ہے۔ خلیل جبران کا لبنان ہو یا سارا عالم مشرق ہر جگہ زندگی کے مختلف شعبوں میں بونوں کی اجارہ داری ہے۔ تنگ نظر کٹر ملاں۔ ربی۔ پادری اور پنڈت۔ علم و فنون کی دشمنی میں پیش پیش ہیں۔

انقلاب سے خوفزدہ استحصالی قوتیں وسائل پر اپنے "حق فائق" سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر عالم مشرق کے مختلف معاشروں میں حقوق انسانی اور شرف آدمیت کو تقدم حاصل ہو گا تو پھر جزا و سزا کے ان خود ساختہ ایجنٹوں کو کون پوچھے گا۔

خلیل جبران زندگی بھر ایسے دلالوں اور ان کے سرپرستوں کے خلاف پُرعزم جدوجہد کرتے رہے۔ ان کے محبوب عالم مشرق میں یہ جدوجہد کسی نہ کسی شکل میں آج بھی جاری ہے۔ یہی لبنان کے اس فلسفی شاعر کی کامیابی کا ثبوت ہے۔

حیدر جاوید سیّد

P-52 مرغزار آفیسر کالونی
(پیکو ٹاؤن) ملتان روڈ لاہور

فلسفہ خلیل جبرانؔ

فلسفہ تنقید

''وہ اپنے اصولوں میں جنون کی حد تک انتہاء پسند ہے۔''

''وہ خیال پرست ہے اور جو کچھ لکھتا ہے، مروجہ اخلاق میں فساد پیدا کرانے کے لئے لکھتا ہے۔''

''اگر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مرد و عورت، شادی کے مسئلے میں جبران کی رائے پر چلیں گے تو معاشرتی زندگی کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ انسانی سماج کی بنیادیں منہدم ہو جائیں گی اور یہ دنیا ایک جہنم اور اس میں رہنے والے شیطان بن کر رہ جائیں گے۔''

''اس کے حُسنِ نگارش کے فریب سے بچو! کہ وہ انسانیت کا دشمن ہے۔''

وہ انارکسٹ ہے! کافر ہے!! ملحد ہے!!! اور ہم مقدس کوہ لبنان کے باشندوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس کے عقائد پر لات مار دیں۔ اس کی تصنیفات کو آگ میں جھونک دیں، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ملحدانہ نظریوں کا کوئی اثر، دل پر باقی رہ جائے!''

''ہم نے اس کا ناول ''ٹوٹے ہوئے پر'' پڑھا اور اسے زہر آب پایا۔''

☆☆☆☆☆

یہ ہیں ان خیالات کے چند نمونے جو لوگوں نے میرے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ میں جنون کی حد تک انتہا پسند ہوں، تعمیر کے مقابلہ میں تخریب کی طرف مائل ہوں، میرا دل ان چیزوں سے متنفر ہے جن کا دنیا احترام کرتی ہے اور ان چیزوں سے محبت کرتا ہے جنہیں دنیا ٹھکراتی ہے اور اگر انسان کے عقائد، رسم و رواج اور عادات و خصائل کا استحصال میرے امکان میں ہوتا، تو میں ایک لمحہ کے لئے توقف نہ کرتا، لیکن بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ میری تصنیفات ''زہریلا پانی'' ہیں

ایک ایسی بات ہے جو حقیقت کو ظاہر تو کرتی ہے لیکن دبیز پردے کے پیچھے سے...... اور حقیقت عریاں، یہ ہے، کہ میں زہر کو پانی میں ملا کر نہیں، خلصاً پیالوں میں انڈیلتا ہوں، ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ جن پیالوں میں انڈیلتا ہوں، وہ حد درجہ صاف و شفاف ہوتے ہیں۔

رہے وہ حضرات جو اپنے دلوں میں میری طرف سے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ "وہ خیال پرست ہے اور بادلوں کی دنیا میں اڑتا رہتا ہے۔" سو یہ وہ لوگ ہیں جو ان شفاف پیالوں کی چمک پر اپنی نگاہیں گاڑ دیتے ہیں اور اس شراب سے جو ان پیالوں میں ہوتی ہے اور جسے وہ "زہر" کہتے ہیں قطع نظر کر لیتے ہیں۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ ان کے کمزور معدے اسے ہضم نہیں کر سکتے۔

یہ تمہید ایک اکھڑ قسم کی گستاخی پر دلالت کرتی ہے لیکن گستاخی کا اکھڑ پن، مکر و فریب کی ملائمت سے بہتر نہیں ہے؟ گستاخی خود کو اپنے اصلی روپ میں ظاہر کرتی ہے لیکن فریب مانگے کا لباس پہن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اہل مشرق چاہتے ہیں کہ ادیب اس شہد کی مکھی کی مثال ہو جائے جو چھتہ بنانے کے لئے باغوں میں پھولوں کی شیرینی جمع کرتی پھرتی ہے۔

اہل مشرق شہد پر جان دیتے ہیں اور اس کے سوا انہیں کوئی غذا نہیں بھاتی، انہوں نے اس کثرت سے شہد استعمال کیا ہے کہ وہ خود شہد بن کر رہ گئے ہیں، جو آگ کے سامنے پگھل جاتا ہے اور اس وقت تک منجمد نہیں ہوتا، جب تک کہ اسے برف پر نہ رکھا جائے۔

اہل مشرق چاہتے ہیں کہ شاعران کے بادشاہوں، حاکموں اور پادریوں کے سامنے اپنی روح کو عود و لوبان کی طرح سلگائیں اور ہر چند کہ مشرق کی فضا درباروں، قربان گاہوں اور مقبروں میں سلگائے ہوئے عود و لوبان کے دھوئیں سے اٹ گئی ہے لیکن وہ اب بھی مطمئن نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں متنبی جیسے قصیدہ نگار۔۔۔۔ لوقیس جیسے مرثیہ گو صفی الدین حلی سے زیادہ سجیلے بھانڈ پائے جاتے ہیں۔

اہل مشرق چاہتے ہیں کہ مفکر ان کے سامنے بیدبا، ابن رشد افرام سریانی اور یوحنا دمشقی کے

اقوال دہراتا رہے اور اپنی تحریروں میں احمقانہ پند و نصیحت لا معنی ارشاد و ہدایت اور ان آیات و حکم کی حدود سے تجاوز نہ کرے جن پر عمل کرنے سے انسان کی زندگی اس حقیر گھاس پھوس کی مثال ہو جاتی ہے جو سائے میں اُگے اور اس کا نفس اس کنکنے پانی سے مشابہ ہو جاتا ہے جس میں تھوڑی سی افیون ملی ہو۔

مختصر یہ کہ اہل مشرق ماضی کی نزہت گاہوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ جھوٹی تسلیاں دینے اور مضحکہ خیز سلبی امور سے دلچسپی رکھتے ہیں مگر ان مجبر و تعلیمات اور ایجابی اصولوں سے بھاگتے ہیں جو ڈنک مارتے ہیں اور انہیں پُر سکون خوابوں کی گہری نیند سے بیدار کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مشرق بیمار ہے اسے مستقل بیماریوں اور مسلسل وباؤں نے اس قدر گھیر رکھا ہے کہ وہ بیماری کا عادی اور تکلیف سے مانوس ہو کر اپنے درد و الم کو طبعی صفات بلکہ ایک حسین و خوشگوار مزاج سمجھنے لگا ہے جو صحت مند جسم اور پُر عظمت روح کے لئے مخصوص ہے اس کے نزدیک اگر کوئی ان بیماریوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہے تو ناقص اور قدرت کے عطیوں اور کمالات عالیہ سے محروم!

مشرق کے بہت سے طبیب ہیں جو اس کی نبض دیکھتے ہیں اس کی بیماری کے متعلق باہمی طور پر مشورے کرتے ہیں لیکن جب علاج کی نوبت آتی ہے تو وہی ہنگامی نشہ آور دوائیں دیتے ہیں جو مرض کی مدت تو بڑھا دیتی ہیں، لیکن اسے زائل نہیں کرتیں۔

ان معنوی مخدرات کی بہت سی قسمیں ہیں، بہت سی شکلیں اور بہت سے رنگ ہیں اور یہ ایک دوسرے سے اس طرح پیدا ہوتے ہیں، جس طرح ایک بیماری سے دوسری بیماری اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ مشرق میں جب کبھی کوئی نیا مرض نمودار ہوتا ہے اس کے لئے مشرقی اطباء نیا مخدر ایجاد کر لیتے ہیں۔

لیکن وہ اسباب جن کے نتیجہ میں یہ مخدرات ایجاد کئے جاتے ہیں، حد شمار سے باہر ہیں، جن میں سب سے اہم سبب بیمار کا قضاء و قدر کے مشہور فلسفہ پر ایمان لانا، اور طبیبوں کی بزدلی اور اس الم کے ہیجان سے خوف کھانا ہے، جسے سرسبز و شاداب وادیاں پیدا کرتی ہیں۔

اب میں ان مسکنات و مخدرات کی مختلف مثالیں پیش کرتا ہو، جو اطبائے مشرق نے وطنی،

مذہبی اور معاشرتی بیماریوں کے لئے ایجاد فرماتے ہیں۔

شوہر کے دل میں بیوی کی طرف سے اور بیوی کے دل میں شوہر کی طرف سے بعض زندہ اور فطری اسباب کی بنا پر نفرت بیٹھ جاتی ہے اور وہ دونوں لڑ بھڑ کے، مار پیٹ کر کے ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں لیکن چوبیس گھنٹے گزرنے نہیں پاتے کہ مرد کے رشتہ دار اس کی بیوی کے رشتہ داروں کے پاس جاتے ہیں، تھوڑی دیر تک حسین وشستہ الفاظ کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کے بعد سب اس امر پر متفق ہو جاتے ہیں کہ میاں بیوی میں صلح کرادی جائے، چنانچہ یہ قافلہ عورت کے پاس آتا ہے اور ان جھوٹی سچی نصیحتوں سے اس کے جذبات کو لبھاتا ہے جو اسے شرمندہ تو کر دیتی ہیں، لیکن مطمئن نہیں کر سکتیں، اس کے بعد مرد کو بلایا جاتا ہے اور اس پر ان اچھی اچھی باتوں اور عمدہ عمدہ مثالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی جاتی ہے جو اس کے خیالات میں نرمی تو پیدا کر دیتی ہیں لیکن انہیں بدل نہیں سکتیں اور اس طرح ان میاں بیوی میں جو روحانی طور پر ایک دوسرے سے متنفر ہیں، صلح...... ہنگامی صلح...... کا مقدس فرض انجام دے دیا جاتا ہے۔ اب وہ میاں بیوی، اپنے ارادہ کے خلاف پھر ایک جگہ رہنا شروع کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ ملمع اتر جاتا ہے اور اس مخدر کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے جو عزیزوں اور رشتہ داروں نے استعمال کرایا تھا، چنانچہ مرد پھر اپنی نفرت وکراہت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور عورت پھر اپنی بدقسمتی کا پردہ چاک کر دینا چاہتی ہے لیکن وہی لوگ جنہوں نے پہلے صلح کرائی تھی، دوبارہ یہ اہم فرض انجام دیتے ہیں، رہے شوہر اور بیوی، سو جو کوئی مخدرات کا ایک قطرہ پی لے وہ بھرے ہوئے جام پینے سے بھی انکار نہیں کرتا۔

قوم جابر حکومت یا قدیم نظام کے خلاف بغاوت کرتی ہے اور ''جمعتیہ اصلاحیہ'' کی بنیاد رکھ کر ترقی اور آزادی کی طرف قدم بڑھاتی ہے گرم گرم تقریریں کی جاتی ہے، بے دھڑک مضامین لکھے جاتے ہیں۔''

''میزانیہ'' اور ''لائحہ عمل'' شائع ہوتے ہیں، وفد اور نمائندے بھیجے جاتے ہیں، لیکن ایک یا زیادہ سے زیادہ دو مہینے نہیں گزرنے پاتے جو ہم سنتے ہیں کہ حکومت نے جماعت کے لیڈر کو گرفتار کر لیا، یا اس کا وظیفہ مقرر کر دیا، اس کے بعد ''جمعتیہ اصلاحیہ'' کے متعلق کچھ سننے میں نہیں آتا اس لئے کہ اس کے ارکان مخدرات کے چند قطرے پی کر، پھر سکون واطاعت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

جماعت، بنیادی امور کے پیش نظر، اپنے مذہبی پیشوا کے خلاف آواز اٹھاتی ہے، اس کی شخصیت کو اپنی تنقید کا ہدف بناتی ہے اس کے افعال پر نکتہ چینی کرتی ہے، اس کی روش کو ٹھکراتی ہے اور اسے ایک نیا مذہب اختیار کر لینے کے ڈراوے دیتی ہے، جو عقل سے قریب اور اوہام و عرفات سے دور ہوگا، لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرتا، جو سننے میں آتا ہے کہ ملک کے عقلمندوں نے مذہبی پیشوا اور اس کے پیروں کی مخالفت ختم کر دی ہے اور طلسمی مخدرات کے فیض اثر سے مرشد کی شخصیت میں وہی ہیبت و جلال اور حلقہ بگوشوں کے دل میں وہی اندھی اطاعت پھر پیدا ہوگئی ہے۔

کمزور مظلوم، طاقت ور ظالم کے ظلم کی شکایت کرتا ہے تو ہمسایہ کہتا ہے۔

''خاموش! وہ آنکھ، جو تیر کا مقابلہ کرتی ہے، پھوڑ دی جاتی ہے۔''

دیہاتی راہبوں کے اخلاص اور پرہیز گاری کے متعلق شبہ کا اظہار کرتا ہے تو اس کا ساتھی کہتا ہے۔

''جب! کتاب میں آیا ہے کہ ان کی بات سنو، لیکن ان کے افعال کی تقلید نہ کرو!''

شاگرد، بصرہ اور کوفہ کے علماء نحو کی بحثوں کو یاد کرنے سے گریز کرتا ہے تو استاد کہتا ہے۔

کاہل اور سست لوگوں نے اپنے لئے ایسے عذر تلاش کر لئے ہیں جو گناہ سے زیادہ قابل نفرت ہیں۔''

نوجوان لڑکی بیواؤں کی سی زندگی بسر کرنے سے بچتی ہے تو اس کی ماں کہتی ہے۔

''لڑکی اپنی ماں سے افضل نہیں ہوتی، اس لئے جو راستہ تیری ماں نے اختیار کیا تھا، تو بھی وہی اختیار کر!!''

نوجوان لڑکا فضول مذہبی رسموں کے متعلق سوال کرتا ہے تو پادری جواب دیتا ہے۔

''جو کوئی ایمان کی آنکھ سے نہیں دیکھتا اسے اس دنیا میں کہر اور دھوئیں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔''

ایک زمانہ اسی طرح گزر گیا، لیکن مشرق کا انسان اپنے نرم و گداز بستر میں پڑا سو رہا ہے۔ جب کبھی مچھر کاٹتے ہیں تو ایک لحہ کے لئے بیدار ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پھر ان مخدرات کے زیر اثر جو اس کے جسم کی ہر رگ اور خون کے ہر قطرہ میں کار فرما ہیں، سو جاتا ہے۔

جب کوئی شخص کھڑے ہو کر سونے والوں کو پکارتا ہے اور ان کے گھروں عبادت گاہوں اور

عدالتوں کو اپنی بلند آوازوں سے لبریز کر دیتا ہے تو وہ اپنی ابدی نیند سے بوجھل آنکھیں کھولتے ہیں اور جمائیاں لے لے کر کہتے ہیں۔

''کس قدر بدتمیز ہے یہ نوجوان کہ نہ خود سوتا ہے، نہ دوسروں کو سونے دیتا ہے۔''

اس کے بعد پھر اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اپنی روح سے بانداز سرگوشی کہتے ہیں۔

''وہ کافر ہے! ملحد ہے!! مروجہ اخلاق میں فساد پیدا کرتا ہے، قوموں کی بنیادوں کو ڈھاتا ہے اور انسانیت کا سینہ اپنے نوکیلے تیروں سے چھلنی کرتا ہے۔''

☆☆☆☆☆

جب میں ان بیدار اور سرکش لوگوں میں تھا، جو مخدرات اور مسکنات کے استعمال سے انکار کرتے ہیں تو اکثر اپنے نفس سے سوالات کرتا تھا اور میرا نفس مبہم اور مشتبہ الفاظ میں جواب دیتا تھا جب لیکن میں نے سنا کہ لوگ میرے نام پر لعنت بھیجتے ہیں اور میرے اصولوں پر تھوتھو کرتے ہیں تو مجھے اپنی بیداری کی حقیقت کا یقین ہو گیا۔ اور میں نے جان لیا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خوشگوار خوابوں اور دلکش خیالوں کے بندے ہیں بلکہ ان وحدت پسندوں میں سے ہوں جو زندگی کو ان تنگ راہوں کے ذریعہ طے کرتے ہیں جن پر پھول اور کانٹے بچھے ہیں اور جن کے چاروں طرف شکاری بھیڑیے اور چہچہاتی ہوئی بلبلیں ہیں۔

اگر بیداری کوئی فضیلت ہوتی تو میری حیا مجھے اس کے دعوے سے ضرور باز رکھتی، لیکن وہ کوئی فضیلت نہیں ہے بلکہ ایک عجیب و غریب حقیقت ہے، جو وحدت پسند افراد پر غفلت و بے خبری کے عالم میں منکشف ہو کر ان کے آگے آگے چلتی ہے اور وہ اس کے مخفی تاروں میں بندھے اور ہولناک مقاصد پر نگاہیں جمائے اس کے ساتھ ساتھ ہو لیتے ہیں۔''

میرے نزدیک شخصی حقائق کے اظہار میں شرم محسوس کرنا ملمع شدہ مکاری کی ایک قسم ہے جسے اہل مشرق ''تہذیب'' کے ساعت فریب نام سے پکارتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کل جب ہمارے ''ادبا اور مفکرین'' میرے ان خیالات کو پڑھیں گے تو نفرت و بیزاری

کے لہجہ میں کہیں گے۔

"وہ انتہا پسند ہے جو زندگی کے تاریک پہلو کو دیکھتا ہے اور تاریکی کے سوا، اسے اور کچھ نظر نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ وہ مسلسل ہم پر رو رہا ہے اور لگاتار ہماری حالت پر ماتم کر رہا ہے۔"

میں ان ادبا اور مفکرین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

"میں مشرق پر ماتم کرتا ہوں اس لئے کہ مردہ لاش کے سامنے رقص کرنا انتہائی درجہ کا پاگل پن ہے۔"

میں اہل مشرق پر روتا ہوں اس لئے کہ بیماریوں پر ہنسنا جہل مرکب ہے!

میں اس پیارے ملک کا مرثیہ پڑھتا ہوں، اس لئے کہ اندھی مصیبت کے سامنے گانا اندھی جہالت ہے۔

میں انتہا پسند ہوں اس لئے کہ جو کوئی حقیقت کے اظہار میں اعتدال سے کام لیتا ہے اس کے نصف حصہ کو بیان کرتا ہے اور نصف آخر کہنے والے کے اس خوف میں چھپا رہ جاتا ہے جو اسے لوگوں کی بدگمانیوں اور خیال آرائیوں سے ہوتا ہے۔

میں سڑی ہوئی لاش دیکھتا ہوں تو میرا دل اس قدر نفرت کھاتا ہے اور میری روح اس درجہ مضطرب ہو جاتی ہے کہ میں اس کے پاس نہیں بیٹھ سکتا، خواہ میرے دائیں ہاتھ پر شراب کا پیالہ ہو بائیں ہاتھ پر شیرینی کی طشتری!

اس بنا پر اگر کوئی میرے نوحوں کو قہقہوں سے، میری نفرت کو محبت سے اور میری انتہا پسندی کو اعتدال سے بدلنا چاہتا ہے تو مجھے اہل مشرق میں کوئی ایسا حاکم عادل دکھائے جو مذہب کا پابند ہو اور صحیح راہ پر چلتا ہو، مجھے کسی ایسے مذہبی پیشوا کا پتہ دے جس کے علم و عمل میں مطابقت ہو اور مجھے کوئی ایسا شوہر بتائے جو اپنی بیوی کو بھی اسی آنکھ سے دیکھتا ہو جس آنکھ سے وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔

اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ مجھے رقصاں دیکھے یا ڈھول اور بانسری بجاتے سنے تو اسے چاہئے کہ مجھے شادی کی محفل میں بلائے نہ یہ کہ قبرستان میں لے جا کے کھڑا کر دے۔

*****

فلسفہ جدائی

اپریل کی حسین اور چمکیلی صبح ہے۔ آفتابی کرنیں نو شگفتہ غنچوں کے ساتھ کھیل رہی ہیں اور ساکنان چمن نسیم سحر کے عطر بیز جھونکوں سے مخمور ہیں۔

ہر چہار طرف طمانیت کا دور دورہ ہے اور حیات نو کی حلاوت۔

لیکن میں آہ! میری زندگی تو اب بھی ایک بے رونق صبح کی طرح ہے۔ خاموش اور افسردہ، جیسے حد سے بڑھ کر کھلے ہوئے پھول کی پنکھڑیاں بکھر جاتی ہیں۔

تمہارے بعد! مجھے حسن چمن پھیکا نظر آتا ہے اور صبح کا پیارا پیارا چہرہ مرجھایا ہوا۔

کائنات پر شام کی سرخی چھا گئی۔ آفتاب کھجور کے درخت کے پیچھے غروب ہو رہا ہے اور فضا پر غلبہ کیف و سرور ہے۔

ہر شے پر لرزش حیات طاری ہے جیسے ہوا کے جھونکوں سے اشجار کی نرم شاخیں جھوما کرتی ہیں۔

لیکن میرے لئے تو یہ شام بھی۔ خزاں کی افسردہ سہ پہر سے کم نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذرہ ذرہ غرق محسن ہے اور دنیائے چمن بے رونق...... غنچے سسک رہے ہیں اور پتے محو فغاں۔

تمہارے بعد مجھے ہر لذت ہم آغوش درد معلوم ہوتی ہے اور نالہ احساس سے پاش پاش۔

نیلگوں آسمان پر شوخ ستارے چمک رہے ہیں۔ چاند سمندر کی لہروں سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔ اس کی چاندنی سکون آمیز ہے اور روح پرور...... پر نہ معلوم کیوں؟ مجھے محفل انجم مدھم نظر آتی ہے اور چاند کا حسین چہرہ زرد ذرات خاموشیوں کی بستی ہے اور اداسیوں کا مسکن۔

تمہارے بعد تو میرا جذبہ احساس ہی کچل کر رہ گیا۔ اب ایک بیکار وجود ہے اور دیوانے کے خواب کی طرح پریشان روح۔

*****

فلسفہ جستجو

شب کے سناٹے میں جب دیوار پر سائے متحرک ہو جاتے ہیں جیسے جنات ہیولانی چل پھر رہے ہوں اور شیشم کے درخت ہم آواز ہو کر چیخنا شروع کر دیتے ہیں۔

زرد چاند اک کفن میں لپٹی ہوئی نعش کی طرح نظر آتا ہے اور ستارے پردہ سحاب ہٹا کر مغموم انداز سے جھانکتے ہیں۔

تو میری روح عالم خیال کے راستوں پر پرواز کرنے کو بیقرار ہو جاتی ہے اور غیر مرئی وادیوں میں تمہیں تلاش کرتی پھرتی ہے۔

پر آہ! تم اسے وہاں نظر نہیں آتیں نہ ہی کوئی نشان خاک پا ملتا ہے جس سے تمہارے قیام کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

آہ! میری روح!! ملول و ناکام!!! بھٹکی ہوئی واپس آجاتی ہے۔

پھر! جب خواب کی حسین ملکہ مجھے اپنے لبادے میں چھپا لیتی ہے تاکہ کشاکش حیات کو کچھ دیر کے لئے بھول جاؤں اور اس کی تلخیوں کو فراموش کر سکوں۔

لیکن آہ! میری شوریدہ بختی!! کہ مایوس تمنا روح کو تو اب بھی قرار نہیں۔ وہ تمہاری جستجو میں فضاؤں میں چکر کاٹتی ہے۔ اس غریب الوطن پرند کی طرح! جس کا کہیں مسکن ہو نہ ٹھکانا۔

وہ ایک ایک کنج میں ڈھونڈھتی پھرتی ہے۔ پر آہ! تم تو کہیں بھی نظر نہیں آتیں اور نہ ہی تمہاری کوئی یادگار! اپنی حرماں نصیبی پر وہ اسی طرح بے چین ہو جاتی ہے جیسے ساز کے پُر سکوت تاروں میں متلاطم نغمہ!

اور پھر! میری مایوس وافسردہ روح!! وہ ناکام واپس آجاتی ہے۔
محفل تمہاری شیریں یاد کا سہارا لئے اور بازیافت کے بھروسے پر۔

*****

فلسفہ مسرت

کہا جاتا ہے کہ زندہ رہنے کے لئے خوشی اک امر لازم ہے۔ ایسی خوشی! جو رنج کی گھڑی بھی اپنے تصور میں ہی گزار دے۔

کہتے ہیں کہ قدرت ہر وقت متبسم رہتی ہے اور مسرور مجسم ہوا فرط مسرت سے اٹھکیلیاں کرتی چلتی ہے۔ پتے شوخی سے تالیاں بجاتے ہیں۔ چاند ہنستا ہوا نکلتا ہے اور اپنی سہانی چاندنی میں سب کو لپیٹ لیتا اور پہاڑ بادلوں سے دھیمی دھیمی سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔

لیکن کون کہتا ہے کہ قدرت رنج والم سے بے نیاز ہے ورنہ بادلوں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو کیوں گرتے ہیں؟ ہوا کے جھونکوں پر غم کا عنصر کس لئے چھا جاتا ہے۔ پتے ساکت ہو جاتے ہیں۔ چاند کی زردی بڑھتی جاتی ہے اور حسین چاندنی اداس! اداس!!

یہ صحیح ہے کہ سمندر کی الھڑ موجیں پوری طاقت سے بڑھتی ہیں۔ قہقہے لگاتی بڑھتی جاتی ہے۔ ساحل کو گیت سناتی ہیں اور چٹانوں سے کھیلتی ہیں...... اور وقت معینہ پر واپس لوٹ جاتی ہیں۔ مسرور شاد شاد!!

لیکن اس حقیقت کو کیوں کر جھٹلایا جا سکتا ہے کہ یہی موجیں حالت رنج والم میں طوفان بپا کر دیتی ہیں۔ جھاگ بہا بہا کر اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہیں۔ اور آخر کار تہہ وبالا ہو جاتی ہیں۔

اکثر یہ کہہ کر تسلی دی جاتی ہے کہ اگر موسم سرما آ سکتا ہے تو بہار کیا کہیں دور رہ گئی؟" ...... لیکن اس پر بھی کبھی غور کیا جاتا ہے کہ بہار کے بعد خزاں کس انداز سے آتی ہے...... افسردہ سا ماحول لے کر اور بلائے جان بن کر...... پتے شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں اور پرندے آشیانوں میں نہاں۔

تر و تازگی کی بجائے بے سروسامانی چھا جاتی ہے اور عیش و مسرت کی جگہ رنج و کلفت۔

آہ! جب ناسازگیِ روزگار، کوہ عظیم تک کا قلب چور چور کر دیتی ہے اور وہ اپنے غم وغصہ کا اظہار بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر کرتا ہے۔

موسم پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تو انسان کی تو پھر ہستی ہی کیا ہے۔

*****

فلسفہ وقت

دہر کی ہنگامہ رائیوں سے بے نیاز چلا جا رہا ہے۔اپنی دھن میں کھویا کھویا اور اپنی ہی دھن میں مستغرق! امروز میں اس کے لئے کوئی کشش ہے اور نہ فردا میں کسی قسم کی دلچسپی بس ایک ادائے فرض وخیال ہے جو جان ناتواں کے لئے سوہان روح ہے اور ملجا وادائے حیات۔

بہار کی پُر سرور صبح ہو یا خزاں کی بے کیف دوپہر! بیمار کی کراہ جیسا اداس موسم ہو یا برگ خزاں کی طرح پژمردہ ماحول۔

یہ دنیا و مافیہا سے بے خبر چلتا جاتا ہے،ہوا کے شریدہ جھونکے کی طرح! ادھر آیا اور ادھر غائب بھی ہو گیا۔

اس کے ننھے سے پشتارے میں شگفتہ قہقہے پوشیدہ ہیں اور اضطرار کی بجلیاں نہاں! آس کی لہریں ہیں اور یاس کے چھینٹے! یہ آہوں کا دھواں لئے ہوئے ہے اور مسرتوں کا خزینہ بھی۔

مجھے تو اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت اس کے پہلو میں دل رکھنا بھول گئی ورنہ اس قدر بے حسی! ایسی بے نیازی کہ نہ آنسوؤں کا طوفان اسے مغموم کر سکتا ہے اور نہ مسرتوں کا انبار مسرور۔

اللہ اس گھنٹوں سوچتا ہی رہ جاتا ہوں کہ آخر اس کی اصلی رضا کیا ہے۔

صبح کو آفتاب کے ساتھ ساتھ اس کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں بھی جاری رہتا ہے اور شام کے دھندلکے میں جب سب اپنے اپنے مساکن کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں تب بھی یہ کائنات کی وسعتوں میں پھرتا رہتا ہے۔رات کے تاریک سایوں میں پرواز کرتے ہوئے پرندکی طرح جس کا نہ کہیں ٹھکانا ہو اور نہ آشیانہ۔

لیکن ان تفاوتوں کے باوجود شاعر نازک خیال اس کا منتظر ہے اور نصحد ادبا اس کے مرہون کرم۔

کوئی شاد شاد ہو یا افسردہ وساکت! یہ ہر ایک کے لئے ماہ شوال بن کر آتا ہے۔ گیت کی طرح سہانا اور قوس وقزح کی سی دل فریبیاں لئے ہوئے۔

اور میرے لئے تو اس کی آواز! اس نقرئی گھنٹی سے کم نہیں جو سحر کے سہانے وقت میں معبدوں میں بجا کرتی ہے۔ اس کے قدموں کی آہٹ پر روح کے خوابیدہ ساز بجنے لگتے ہیں اور اس کے لائے ہوئے رقعات حاصل ''نصف ملاقات'' ہیں۔

اللہ! میرے لئے تو وہ دولت کائنات سے بھی قیمتی ہیں اور خستگی حیات کا بہترین علاج۔

* * * * *

فلسفہ اقوام

قوم ان مختلف الاخلاق، مختلف العقیدہ اور مختلف الرائے افراد کا مجموعہ ہے جنہیں ایک معنوی رشتہ آپس میں ملاتا ہے...... وہ معنوی رشتہ جو اخلاق سے زیادہ قوی، عقیدہ سے زیادہ گہرا اور رائے سے زیادہ اہم ہے۔

کبھی وحدت دینی اس رشتہ کا ایک تار ہوتی ہے لیکن یہ تار اتنا قوی نہیں ہوتا کہ دوسرے قومی رابطوں کو مضمحل کر دے۔ ہاں اگر وہ رابطے ہی بوسیدہ اور کمزور ہوں جیسا کہ بعض مشرقی ممالک میں پایا جاتا ہے تو دوسری بات ہے۔

کبھی وحدت لسانی اس رابطہ کا بنیادی سبب ہوتی ہے لیکن بہت سی قومیں ہیں، جو ایک زبان بولتی ہیں لیکن سیاست، نظام حکومت اور اجتماعی نظریات کے اعتبار سے ان میں مستقل اختلاف ہے۔

کبھی وحدت دنیوی اس رابطہ کی اساس ہوتی ہے لیکن تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن کے ذریعہ ہم ثابت کر سکتے ہیں مختلف ہم نسل قبیلے ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور یہ علیحدگی، باہمی کدورت، لڑائی جھگڑوں اور نتیجہ میں زوال وفنا کا سبب بن گئی۔

اور کبھی مادی مصلحت تعاون کا باعث ہوتی ہے جس پر یہ رشتہ لپٹا جاتا ہے لیکن بہت سے گروہ ہیں جن کی مادی مصلحت کچھ نہیں ہوتی سوائے نفسانیت اور مناقشوں کے۔

اچھا! تو پھر یہ قومی رابطہ کیا ہے؟ اور وہ کونسی زمین ہے جہاں قوموں کے بت بنتے ہیں؟

قومی رابطہ کے سلسلے میں میری ایک رائے ہے جسے بعض مفکرین اس لئے عجیب سمجھتے ہیں کہ اس کے اصول ونتائج امور محسوسہ سے تعلق نہیں رکھتے۔

بہر حال میری رائے یہ ہے کہ

ہر قبیلہ کا ایک ''نفس اجتماعی'' ہوتا ہے جو اپنے جوہر و طبیعت کے اعتبار سے نفس انفرادی سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ نفس اجتماعی اپنے وجود کے لئے قبیلوں کے افراد کا محتاج ہے جس طرح درخت اپنی زندگی کے لئے پانی، مٹی، روشنی اور حرارت کا محتاج ہے تاہم وہ قبیلوں سے الگ اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے اور اس کی ایک خاص زندگی اور ایک جداگانہ ارادہ ہوتا ہے لیکن جس طرح میرے لئے اس زمانہ کی تجدید و تعین دشوار ہے جس میں نفس انفرادی پیدا ہوتا ہے اسی طرح میرے لئے اس زمانہ کی تجدید و تعین بھی مشکل ہے جس میں نفس اجتماعی تشکیل پاتا ہے تاہم یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ مثلاً مصری قوم ساحل نیل پر ابتدائی حکومت کی بنیاد رکھے جانے سے کم از کم پانچ سو برس پہلے نمایاں ہوئی اور اسی نفس اجتماعی سے مصر نے اپنے تمام فنی، مذہبی اور اجتماعی مظاہر میں مدد لی۔

جو کچھ میں نے مصر کے متعلق کہا ہے وہی اشور، ایران، روم اور عرب وغیرہ کی جدید قوموں پر بھی صادق آتا ہے..... جدید قوموں سے میری مراد وہ قومیں ہیں جو ازمنہ وسطیٰ کے بعد وجود میں آئی ہیں۔

میں نے کہا ہے اور صحیح کہا ہے کہ نفس اجتماعی کی ایک خاص زندگی ہوتی ہے اور جس طرح ہر زندہ شے کی ایک محدود عمر ہوتی ہے اسی طرح نفس اجتماعی کے لئے بھی ایک وقت ہوتا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔ اور جس طرح وجود شخصی بچپن سے جوانی، جوانی سے کہولت اور کہولت سے بڑھاپے کی منزل میں جاتا ہے اسی طرح نفس اجتماعی کا وجود بھی نیند کی نقاب سے گھبرائی ہوئی صبح کی بیداری سے، سورج کی شعاعوں سے روشن دوپہر کی بیداری سے لباس بیزاری میں ملبوس شام کی بیزاری سے نیند کے بوجھ میں دبی ہوئی رات کی بیداری اور نیند کے بوجھ میں دبی ہوئی رات کی بیداری سے گہری نیند کی گہرائیوں کی طرف جاتا ہے۔

یونانی قوم، ولادت مسیح سے ایک ہزار سال پہلے بیدار اور پانچ سو سال قبل مسیح میں عظمت و جلال سے ہم کنار ہوئی لیکن مسیح کا دور آیا تو بیداری کے خوابوں سے اکتا گئی اور ابدی خوابوں سے گلے ملنے کے لئے ابدیت کے بستر میں سو گئی۔

عربی قوم ظہور اسلام سے تین سو سال پہلے وجود میں آئی اور اسی زمانہ میں اسے اپنے شخصی وجود کا احساس ہوا یہاں تک کہ جب پیغمبر اسلام مبعوث ہوئے تو ایک دیو کی طرح کھڑی ہوئی اور

آندھی کی طرح ہر اس چیز کو فنا کر دیا جو اس کے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوئی اور جب خلفائے عباسیہ کا دور آیا تو اس ہزار پایہ تخت پر بیٹھ گئی جس کا ایک پایہ ہندوستان میں تھا اور دوسرا اندلس میں۔ لیکن جب اس کی ترقی کا آفتاب غروب ہونے کو آیا اور مغل قوم نمایاں ہو کر مشرق سے مغرب تک پھیل گئی تو عربی قوم اپنی بیداری سے تنگ آکر سو گئی لیکن اس کی نیند گہری نیند نہیں ہلکی اور چلتی ہوئی نیند ہے چنانچہ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ دوبارہ بیدار ہو گی اور ان تمام قوتوں کا مظاہرہ کرے گی جو اس کے نفس میں چھپی رہ گئی ہیں بالکل اسی طرح جیسے رومانوی قوم اطالوی تحریک کے زمانے میں جو رنسانس کے نام سے مشہور ہے دوبارہ بیدار ہوئی اور وینس فلورنسا اور میلان میں اپنے ان واجبات کی تکمیل کی جن کی ابتداء اس نے توتونی قبائل کے حملے سے پہلے کر دی تھی۔

تاریخ میں جتنی قومیں ملتی ہیں ان سب سے زیادہ عجیب وغریب قوم فرانسیسیوں کی ہے جس کو وجود میں آئے دو ہزار برس ہو گئے لیکن وہ ابھی تک جوانی کے دلکش دور میں ہے۔ اس قوم میں آج بھی وہی فکر کی وقعت، نظر کی تیزی اور علم وفن کی وسعت پائی جاتی ہے جو اس کی تاریخ کے ہر دور میں اس کا سرمایہ کمال تھی بلکہ مبالغہ نہ ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ ان خصوصیات میں اس نے نمایاں ترقی کی ہے اور برابر کر رہی ہے۔

فردواں، کاریر، شنیاں، ہیوگو، ریناں، راسد، سیمونی اور ان کے علاوہ انیسویں صدی کے تمام فرانسیسی اہل کمال فن، علم اور خیال کے اعتبار سے دنیا کے ہر بڑے آدمی پر فوقیت رکھتے ہیں۔

ہمیں ایک بات یہاں اور ثابت کرنی ہے کہ بعض قوموں کی عمر بعض قوموں کے مقابلہ میں زیادہ طویل ہوتی ہے چنانچہ مصری قوم تین ہزار برس تک زندہ رہی، برخلاف اس کے یونانی قوم ایک ہزار برس سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ قوموں کی عمر کے کم یا زیادہ ہونے کے اسباب بھی وہی ہیں جو افراد کی عمر کے کم یا زیادہ ہونے کے ہیں۔

لیکن زندگی کے اسٹیج پر اپنا پارٹ ختم کرنے کے بعد قوم پر کیا گزرتی ہے؟

کیا وہ آنے والی نسلوں کے لئے اپنی یاد کے سوا کچھ اور چھوڑے بغیر مر جاتی ہے کیا وہ زمانہ کے ہاتھوں اس طرح پامال ہو جاتی ہے گویا کبھی تھی ہی نہیں؟

میرا عقیدہ ہے کہ وجود معنوی متغیر ہو سکتا ہے لیکن فنا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ وجود مادی کی طرح

ایک سے دوسری شکل اور ایک صورت سے دوسری صورت اختیار کرتا ہے لیکن اس کے فطری ذرات زمانہ کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔ اس بناء پر کسی قوم کا نفس اجتماعی سوتا تو ضرور ہے لیکن پھولوں کی طرح زمین میں اپنے بیج ڈال کر، رہی اس کی روح، سو وہ عالم ابد کی طرف بلند ہوتی ہے اور میرے نزدیک قوم ہو یا پھول، اس کی روح......خوشبو......ہی تنہا حقیقت......جوہر مطلق......ہے۔ چنانچہ شیب، بابل نینوا اور ایتھنز اور بغداد کی روح ہماری زمین کے گرد تنے ہوئے ایتھر کے پردے میں اب تک موجود ہے بلکہ ہماری روح کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے اور ہم......انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے......ہر اس قوم کی میراث ہیں جو سطح زمین پر نمودار ہو چکی ہے لیکن یہ مقدس میراث اس وقت تک منفرداً یا مجتمعاً کوئی مخصوص صورت اختیار نہیں کر سکتی جب تک کوئی ایسی قوم وجود میں نہ آئے جو تمام افراد اور ساری جماعتوں کو اپنے اندر جذب کر لے اور اس طرح ایک ہمہ گیر نفس اجتماعی تشکیل پا جائے جس کی خاص زندگی اور جداگانہ ارادہ ہو۔

✵✵✵✵✵

فلسفہ کلام

میں کلام اور کلام کرنے والوں سے اکتا گیا ہوں۔
میری روح کلام اور کلام کرنے والوں سے تھک گئی ہے۔
میری عقل کلام اور کلام کرنے والوں میں کھو گئی ہے۔

صبح کو جب میں بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ کلام میرے پلنگ کے پاس اخبارات ورسائل پر بیٹھا مجھے مکروخباثت کی آنکھوں سے گھور رہا ہے۔

میں بستر سے اٹھا اور قہوہ کی ایک پیالی سے نیند کا خمار زائل کرنے کے لئے کھڑکی کے پاس جا بیٹھا میرے ساتھ کلام بھی اٹھا اور چیخ و پکار مچاتے ہوئے میرے سامنے ناچنے لگا۔ اس کے بعد جب میں نے قہوہ کی پیالی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھی اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور میرے ساتھ قہوہ پینے لگا۔ پھر جب میں نے سگریٹ سلگایا تو اس نے بھی سلگایا اور جب میں نے اسے ختم کرکے پھینکا تو اس نے بھی پھینک دیا۔

میں کسی کام کے لئے اٹھتا ہوں تو کلام بھی سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا ہے۔ مجھ سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ میرے سر کے گرد منمناتا ہے اور میرے دماغ کی خلاؤں میں ایک ہنگامہ برپا کر دیتا ہے لیکن جب میں اسے بھگانا چاہتا ہوں تو وہ قہقہہ مار کر ہنستا ہے اور پھر کانا پھوسی کرنے، منمنانے اور شور مچانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

میں بازار جاتا ہوں تو کلام کو ہر دوکان کے دروازہ پر کھڑا پاتا ہوں ہر مکان کی دیواروں پر چلتے پھرتے دیکھتا ہوں میں اسے لوگوں کے چہرہ پر دیکھتا ہوں حالانکہ وہ خاموش ہوتے ہیں میں اسے ان کی حرکات وسکنات میں پاتا ہوں حالانکہ وہ بے خبر ہوتے ہیں۔

اگر میں اپنے کسی دوست کے پاس بیٹھتا ہوں تو کلام ہم میں تیسرا ہوتا ہے اور جب کسی

دشمن سے دوچار ہوتا ہوں تو اس وقت کلام پھول کر پھیل جاتا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لشکر جرار کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کا ایک سرا مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا مغرب میں پھر جب میں اپنے دشمن کو چھوڑ کر بھاگتا ہوں تو اس کے کلام کی صدائے بازگشت میرے دماغ میں ہنگامہ پیدا کرتی رہتی ہے جس طرح غیر منہضم غذا معدہ میں بے چینی پیدا کرتی ہے۔

میں عدالتوں، کالجوں اور مدرسوں میں جاتا ہوں تو کلام کو اس کے باپ اور بھائیوں کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ وہ سب کے سب جھوٹ کی چادر اوڑھے، فریب کا عمامہ باندھے اور مکاری کے جوتے پہنے ہوتے ہیں۔

پھر میں کارخانوں، مکتبوں اور دفتروں میں جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کلام اپنی ماں چچی اور دادی کے پہلو میں بیٹھا اپنے موٹے موٹے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا ہے اور وہ سب کی سب کلام پر مسکرا رہی ہیں اور مجھ پر ہنس رہی ہیں۔

اس کے بعد بھی اگر مجھ میں صبر و ارادہ کی قوت باقی رہ جاتی ہے تو میں ہیکلوں اور عبادت گاہوں کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ کلام وہاں بھی مجھے تخت پر بیٹھا نظر آتا ہے اس شان سے کہ سر پر تاج ہوتا ہے اور ہاتھوں میں نہایت عمدہ اور بیش بہا عصائے شاہی۔

اور جب شام کو اپنے گھر واپس آتا ہوں تو پھر اسی کلام کو پاتا ہوں جسے میں نے صبح کو سانپوں کی طرح رینگتے اور بچھوؤں کی طرح ڈنک مارتے دیکھا تھا۔

کلام فضا میں فضا کلام کے پیچھے ہے زمین پر اور زمین کے نیچے ہے۔

کلام ایتھر کے بازوؤں پر ہے سمندر کی موجوں میں ہے جنگلوں اور غاروں میں ہے پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہے۔ کلام ہر جگہ ہے! تو پھر سکون و اطمینان کا متلاشی کہاں جائے۔

کیا اس دنیا میں کوئی گونگوں کی جماعت ہے کہ میں اس میں شامل ہو جاؤں؟

کیا اللہ از روئے کرم، مجھے گراں گوشی کے عطیہ سے نواز سکتا ہے کہ میں ابدی سکون کی جنت میں کامیاب زندگی بسر کروں؟

کیا اس وسیع و عریض کرہ ارض پر ایک گوشہ بھی ایسا نہیں جو زبان کی بکواس سے خالی ہو جہاں کلام فروخت کیا جاتا ہو، نہ خریدا جاتا ہو، عطا کیا جاتا ہو، نہ قبول کیا جاتا ہو؟ کاش! میں جانتا کہ دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے جو از راہ کلام اپنے نفس کو نہیں پوجتا!!

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ خاک دانِ ہستی میں ایک انسانی جماعت ایسی بھی ہے جس کا منہ الفاظ کے ڈاکوؤں کا غار نہیں ہے!!

اگر بولنے والوں کی صرف ایک قسم ہوتی تو ہم مطمئن ہو جاتے اور ہمیں صبر آ جاتا لیکن ان کی قسمیں تو اتنی ہیں کہ شمار نہیں کی جا سکتیں۔

چنانچہ ایک جماعت تو ان ''مینڈکوں'' کی ہے جو سارے دن جوہڑوں میں پڑے رہتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو کنارے پر آ کر اپنا سر پانی سے نکالتے ہیں اور رات کے سینے کو اپنی اس ٹرٹر سے گراں بار کر دیتے ہیں، جسے سننے سے کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں اور روحیں بے چین ہو جاتی ہیں۔

اور ایک جماعت ان ''مچھروں'' کی ہے (اور مچھر بھی جوہڑ کی پیداوار ہیں) جو تمہارے کانوں کے گرد بھنبھناتے ہیں ان کی پُر شور مگر حقیر شیطانی بھنبھناہٹ وہ ہے جسے آزار رسانی کے جذبہ نے پیدا کیا ہے اور شدید نفرت نے پروان چڑھایا ہے۔

اور ایک جماعت ان ''پسنہاروں'' کی ہے (اور یہ عجیب و غریب جماعت ہے) جس میں سے ہر شخص کے باطن میں ایک پتھر ہوتا ہے جس کو گردش دی جاتی ہے تو اس سے ایک ایسی جہنمی گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی ہے کہ اس کی ہلکی سے ہلکی آواز چکی کے پاٹوں کی گڑگڑاہٹ سے زیادہ بھاری ہوتی ہے۔

اور ایک جماعت ان ''بیلوں'' کی ہے جو اپنا پیٹ چارہ سے بھر کر گلیوں اور سڑکوں کے موڑ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فضا کو اپنی ان ڈکاروں سے گراں بار کرنا شروع کر دیتے ہیں جو اگر انتہائی لطیف بھی ہوں تو بھینس کی ڈکار سے زیادہ ناگوار ہوتی ہیں۔

اور ایک جماعت ان ''الوؤں'' کی ہے جو اپنے اوقات ویرانوں اور قبروں میں گزارتے ہیں اور تاریکی کے سکون و سکوت کو اس چیخ و پکار سے بدل دیتے ہیں جس کا خوشگوار سے خوشگوار حصہ الو کی آواز سے زیادہ غم آفریں ہوتا ہے۔

اور ایک جماعت ان ''آرہ کشوں'' کی ہے جنہیں زندگی لکڑی کے ناتراشیدہ ٹکڑوں کی شکل میں نظر آتی ہے اور وہ اپنی ساری عمر ان ٹکڑوں کے کاٹنے اور چھیلنے میں گزار دیتے ہیں۔ ان کی اس حرکت سے ایک عجیب سی کھرکھراہٹ پیدا ہوتی ہے جو اگر حد درجہ شیریں بھی ہو تو آروں کی

کھر کھراہٹ سے زیادہ مکروہ ہوتی ہے۔

اور ایک جماعت ان ڈھول پیٹنے والوں کی ہے جو اپنی روحوں کو بڑی بڑی موگریوں سے پیٹتے ہیں اور ان کے خالی منہ سے ایک ایسا شور بلند ہوتا ہے جو اگر بہت ہلکا ہوتا ہے تو ڈھول کی آواز سے زیادہ پریشان کن ہوتا ہے۔

اور ایک جماعت ان ''چبانے والوں'' کی ہے جن کے لئے کوئی کام اور کوئی شغل نہیں، سوائے اس کے کہ جہاں جگہ دیکھیں بیٹھ جائیں۔ یہ لوگ بات کو چباتے تو بہت ہیں لیکن ادا نہیں کر سکتے۔

اور ایک جماعت ''ان مذاق اڑانے والوں'' کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں بلکہ غیر شعوری طور پر آپ اپنی غیبت کرتے ہیں اور اس غیبت کو کہتے ہیں ظرافت۔ حالانکہ ظرافت سنجیدگی کی ایک قسم ہے لیکن وہ اس کو نہیں جانتے۔

اور ایک جماعت ان ''جلاہوں'' کی ہے جو ہوا کو ہوا سے بنتے ہیں لیکن وہ عریاں کی عریاں رہتی ہے۔

اور ایک جماعت ان ''میناؤں'' کی ہے جن کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے ''جب اڑنے والا اڑا تو میں یہ سمجھا کہ وہ شاہین ہو گیا۔''

اور ایک جماعت ان ''گھنٹوں'' کی ہے جو لوگوں کو تو عبادت گاہوں کی طرف بلاتے ہیں لیکن خود ان میں داخل نہیں ہوئے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی جماعتیں اور گروہ ہیں جو ہنوز شمار و تعریف کی حدود سے باہر ہیں۔ میرے خیال میں ان غیر معروف جماعتوں میں سب سے زیادہ عجیب ان سونے والوں کی جماعت ہے جنہوں نے اپنے خرانوں سے فضا میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے لیکن خود اس سے بے خبر ہیں۔

*****

فلسفہ مرض

میری ایک داڑھ میں کیڑا لگ گیا تھا، جو مجھے طرح طرح سے پریشان کرتا۔ دن کے ہنگاموں میں اطمینان سے بیٹھ جاتا اور رات کی خاموشیوں میں جب دندان ساز خواب راحت کے مزے میں سرشار ہوتے اور دواخانے بند...... بے قرار ہو کر اٹھ بیٹھتا۔

ایک دن، جب کہ میرے صبر کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا تو میں ایک دندان ساز کے پاس گیا اور کہا۔

''اس داڑھ کو نکال دیجئے، اس نے نیند کی لذت مجھ پر حرام کر رکھی ہے اور میری رات کے سکون و اطمینان کو آہ و کراہ سے بدل دیا ہے۔''

ڈاکٹر نے اپنا سر ہلایا اور جواب دیا۔

''جہالت ہوگی اگر ہم داڑھ کو نکال دیں جبکہ اس کا علاج ہو سکتا ہے۔''

اس نے ڈاڑھ کو ادھر ادھر سے کھرچنا شروع کیا اور اس کی جڑوں کو صاف کر دیا۔ عجیب عجیب طریقوں سے روگ کو دور کرنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ داڑھ میں اب ایک کیڑا بھی باقی نہیں رہا تو اس کے سوراخوں کو ایک خاص قسم کے سونے سے بھر دیا اور فخر آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

''اب تمہاری یہ داڑھ تندرست داڑھوں سے زیادہ مضبوط ہو گئی۔''

میں نے تائید کی اور اس کی جیب اشرفیوں سے بھر کر خوشی خوشی چلا آیا لیکن ابھی ایک ہفتہ نہ گزرنے پایا تھا کہ کم بخت داڑھ میں پھر تکلیف شروع ہوئی اور اس نے میری روح کے نغموں کو پھر قریب المرگ لوگوں کی خرخراہٹ اور دوزخ کی چیخ و پکار سے بدل دیا۔

اب میں دوسرے ڈاکٹر کے پاس گیا اور محتاط لہجہ میں اس سے کہا۔

''اس خطرناک سنہری داڑھ کو نکال پھینکئے ...... تکلف بالکل نہ فرمایئے اس لئے کہ کنکریاں چبانے والا انہیں شمار کرنے والوں سے مختلف ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر نے داڑھ نکال دی، وہ گھڑی اگرچہ درد و تکلیف کی بنا پر بڑی ہولناک تھی لیکن درحقیقت مبارک تھی۔

ڈاڑھ نکال دینے اور اچھی طرح سے دیکھ بھال کر لینے کے بعد ڈاکٹر نے کہا۔

آپ نے بہت اچھا کیا...... کیڑوں نے اس داڑھ میں اچھی طرح جڑ پکڑ لی تھی اور اس کے اچھے ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔''

اس رات میں نہایت آرام سے سویا...... اب بھی آرام سے ہوں اور داڑھ کے نکل جانے پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔

انسانی سماج کے منہ میں بہت سی داڑھیں ہیں جن میں کیڑا لگا ہوا ہے اور یہ روگ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ''عظم الفک'' کی حد تک پہنچ گیا ہے لیکن انسانی سماج اس کی تکلیف سے بچنے کے لئے ڈاڑھیں نہیں نکلواتا۔ بلکہ محض لیپا پوتی پر اکتفا کرتا ہے اور انہیں باہر سے صاف کرا کے سوراخوں کو چمکدار سونے سے بھروا دیتا ہے اور بس!

بہت سے طبیب ہیں جو انسانیت کی داڑھوں کا علاج، نظر فریب سونے کے پانی اور چمک دار مادوں سے کرتے ہیں اور بہت سے مریض ہیں جو خود کو ان اصلاح پسند طبیبوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور بیماری کی تکلیف برداشت کرتے کرتے، مبتلائے فریب رہ کر مر جاتے ہیں۔

پھر وہ قوم جو ایک دفعہ بیمار ہو کر، مر جاتی ہے، دوبارہ زندہ نہیں ہوتی کہ دنیا کے سامنے اپنے معنوی امراض کے اسباب اور ان اجتماعی دواؤں کی حقیقت بیان کرے جن کو استعمال کرنے سے قومیں زوال و نیستی کی منزل میں پہنچ جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

شامی قوم کے منہ میں بھی، فرسودہ، سیاہ، گندی اور بد بودار داڑھیں ہیں، ہمارے طبیبوں نے چاہا بھی کہ انہیں صاف کر کے ان کے سوراخوں کو چمکدار مادوں سے بھر دیں اور اوپر سونے کا پانی چڑھا دیں لیکن روگ دور نہیں ہوا، اور کبھی نہیں ہو سکتا، جب تک ان داڑھوں کو اکھاڑ کر پھینک

نہ دیا جائے پھر جس قوم کی داڑھ میں کوئی روگ ہو تو اس کا معدہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے اور بہت سی قومیں ہیں، جو خرابی ہضم کا شکار ہو کر موت کے منہ میں جا چکی ہیں۔

اگر کوئی شام کی کیڑا لگی داڑھیں دیکھنی چاہتا ہے تو اسے مدرسہ میں جانا چاہئے جہاں مستقبل کا انسان ان مسائل کو یاد کر رہا ہے جو اخفش نے سبویہ سے نقل کئے ہیں اور سبویہ نے سائق اظعان سے۔

یا عدالت میں جانا چاہئے، جہاں بناوٹ، جھوٹ اور ریا کاری ہے۔

یا غریبوں کی جھونپڑیوں میں جانا چاہئے جہاں خوف، بزدلی اور جہالت ہے۔

اور اس کے بعد ان نرم و نازک انگلیوں والے دندان سازوں کے ہاں جانا چاہئے جن کے پاس باریک آلات اور نشہ آور سفوف ہیں اور جو کیڑا لگی داڑھوں کے سوراخ بھرنے ان کی گیلی جڑوں کو صاف کرنے میں اپنے اوقات بسر کرتے ہیں جب کوئی ان سے گفتگو کرتا ہے ان کی عطیوں سے نفع اندوز ہونا چاہتا ہے تو انہیں بزرگ خطیبوں میں سے پاتا ہے، جن کی زبان فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتی ہے جو جماعتیں بناتے ہیں، کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں اور مجمعوں میں زور خطابت سے آگ لگا دیتے ہیں، جن کی تقریروں میں ایک نغمہ ہوتا ہے، چکی کے پاٹوں کے نغمہ سے زیادہ بلند اور جولائی کی راتوں میں مینڈک کی ٹراہٹ سے زیادہ دلکش۔

لیکن جب کوئی ان سے کہتا ہے۔

''شامی قوم اپنی زندگی کی غذا، کیڑا لگی داڑھوں سے چباتی ہے اس لئے اس کے ہر لقمہ میں زہریلا لعاب شامل ہو جاتا ہے اور اس زہریلے لعاب نے اس کی آنتیں تقریباً بیکار کر دی ہیں۔''

جب کوئی ان سے یہ کہتا ہے تو وہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''جی ہاں اس کے لئے ہم ایک نئی دوا کی ایجاد میں مصروف ہیں، جو بہت زیادہ نشہ آور ہو گی۔''

اور کہنے والا جب یہ کہتا ہے کہ

''ان داڑھوں کو نکلوا دینے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

تو وہ قہقہہ لگاتے ہیں اس لئے اور صرف اس لئے کہ انہوں نے دانتوں کا شریفانہ علاج نہیں سیکھا۔

سوال کے دہرائے جانے پر وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور بیزاری کے لہجہ میں اپنے دل سے کہتے ہیں۔

"کس قدر میں دنیا میں خیال کے بندے اور کتنے بے بنیاد ہیں ان کے خیال؟"

*****

فلسفہ سوگ

میرے عزیز مر گئے اور میں زندگی کی قید میں گرفتار، وحدت و تنہائی کے عالم میں ان پر ماتم کر رہا ہوں!

میرے دوست مجھ سے بچھڑ گئے اور میری زندگی ان کے بعد غم و آلام کی منہ بولتی تصویر بن کر رہ گئی۔

میرے عزیز اور دوست موت کی نیند سو گئے اور میرے وطن کی پہاڑیاں اشک و خون میں نہا گئیں۔ لیکن میں یہاں اسی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں جس طرح زندگی کے شانوں اور آفتاب کی شعاعوں سے روشن پہاڑوں پر اچھلنے کودنے والے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ بسر کرتا تھا۔

میرے عزیز فاقوں سے مر گئے اور جو بچ گیا، وہ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے لیکن میں ان لوگوں میں چل پھر رہا ہوں جو مسرور ہیں، شاد کام ہیں، اچھی سے اچھی غذائیں کھاتے ہیں۔ بہتر سے بہتر شرابیں پیتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ مسہریوں پر سوتے ہیں، جو زندگی سے خوش ہوتے ہیں اور جن سے زندگی خوش ہوتی ہے۔

میرے عزیز نہایت ذلت و حقارت کی موت مر گئے لیکن میں یہاں راحت و سلامتی کی زندگی گزار رہا ہوں اور یہی وہ المناک ڈرامہ ہے جو میری روح کے اسٹیج پر کھیلا جا رہا ہے۔

اگر میں اپنے بھوکے عزیزوں میں بھوکا ہوتا یا اپنی مظلوم قوم کے ساتھ جور و ظلم برداشت کرتا تو دونوں کا دباؤ، میرے سینہ پر اتنا شدید نہ ہوتا اور راتیں میری نگاہ میں اتنی سیاہ نہ ہوتیں اس لئے کہ جو کوئی مصیبت و بے چارگی میں اپنے عزیزوں کا ساتھ دیتا ہے وہ ایک ایسی مقدس تسکین محسوس کرتا ہے جو اپنے وجود کے لئے جذبہ شہادت کی مرہون منت ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی ذات پر فخر کرتا ہے۔ میں بے گناہوں کے ساتھ بے گناہ مر رہا ہوں لیکن میں اپنی بھوکی اور مظلوم قوم کے ساتھ

نہیں جبکہ وہ موت کے جلوس کے ہمراہ شہادت کی بلندیوں کی طرف جارہی ہے بلکہ یہاں......
سات سمندر پار......اطمینان کے سائے اور سلامتی کے گہوارہ میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔

یہاں میں مصیبت اور مصیبت زدوں سے دور ہوں اور کسی چیز، یہاں تک کہ اپنے آنسوؤں پر بھی فخر نہیں کرسکتا۔

ایک پردیسی، جو اپنے وطن سے کوسوں دور ہو، بھوکے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا کرسکتا ہے۔

کاش میں جانتا، شاعر کے نالہ و ماتم کا فائدہ کیا ہے؟

اگر میں خاک وطن میں گیہوں کا پودا ہوتا تو بھوکا بچہ مجھے توڑ کر میرے دانوں کے ذریعہ دستِ اجل کو اپنے سینے سے ہٹا دیتا۔

اگر میں اپنے ملک کے باغوں کا پختہ پھل ہوتا تو بھوکی عورت مجھے کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا لیتی!

اگر میں اپنے وطن کی فضا میں پرندہ ہوتا تو بھوکا مرد مجھے شکار کر کے میرے جسم کی بدولت اپنے جسم سے، قبر کا سایہ دور کر دیتا۔

لیکن آہ! کتنی بیچارگی اور افسوس کا مقام ہے کہ میں شام کے کھیتوں میں گیہوں کا پودا ہوں، نہ لبنان کی وادیوں کا پختہ پھل!!

اور یہی وہ خاموش ابتداء ہے جس نے مجھے خود میرے اور رات کی پرچھائیوں کے سامنے حقیر کر دیا ہے۔ یہی وہ المناک کہانی ہے جس نے میری زبان اور ہاتھوں کو جکڑ کے مجھے اس حالت میں کھڑا کر دیا ہے کہ نہ میرے پاس عزم وارادہ ہے نہ عمل۔

☆☆☆☆☆

لوگ مجھے کہتے ہیں۔

"تمہارے ملک کی بربادی کیا ہے سوائے دنیا کے ایک حقیر حصہ کی بربادی کے اور وہ اشک وخون جو تمہارے ملک میں بہا کیا ہے سوائے اس جوئے اشک وخوں کے چند قطروں کے جو دن رات کرہ ارض کے میدانوں اور وادیوں سے پھوٹتی رہتی ہے!"

سچ ہے! لیکن میرے ملک کی بربادی، خاموش بربادی ہے! میرے ملک کی بربادی وہ گناہ ہے جس کے نتیجہ میں سانپ اور اژدھے پیدا ہوتے ہیں میرے ملک کی بربادی وہ ٹریجڈی ہے جس میں نغمے ہیں نہ مناظر!!

اگر میری قوم بے ایمان دغاباز حاکموں کے خلاف بغاوت کرتی اور سرکشی کے جرم میں ماری جاتی تو میں کہتا کہ آزادی کی راہ میں مرنا غلامی کے سائے میں جینے سے بہتر ہے اور جو شخص ہاتھ میں تلوار لئے موت سے گلے ملتا ہے وہ حق کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔"

اگر میرا وطن قومی جنگ میں حصہ لیتا اور اس کا ایک ایک بچہ میدان جنگ میں کام آ جاتا تو میں کہتا کہ میری قوم ایک تند و تیز آندھی ہے جو اپنی قوت سے سبز اور خشک ٹہنیوں کو ایک ساتھ توڑ پھینکتی ہے اور طوفانی شاخوں میں دب کر مر جانا، بڑھاپے کی آغوش میں مرنے سے بہتر ہے۔"

اگر دنیا میں کوئی زبردست زلزلہ آتا جس کے اثر سے میرا ملک بالکل الٹ جاتا اور میرے عزیز و آشنا مٹی میں دب جاتے تو میں کہتا "یہ مخفی قوانین ہیں جن کو حرکت میں لانے کی ذمہ دار وہ قوت ہے جو انسانی قوتوں سے ارفع و اعلیٰ ہے اس لئے جہالت ہوگی اگر ہم اس کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

لیکن میرے عزیز و اقارب بغاوت کے جرم میں نہیں مرے، آزادی کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے ہلاک نہیں ہوئے ان کا ملک زلزلہ نے تباہ نہیں کیا بلکہ وہ غلامی کے گناہ میں مارے گئے۔

میرے رشتہ دار سولی پر چڑھا دیئے گئے۔

وہ مرے اور اس حالت میں ان کے ہاتھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں فضا کی تاریکی پر جمی ہوئی تھیں!

وہ مرے اور بے زبانی و خاموشی کے عالم میں مرے اس لئے کہ انسانیت کے کان ان کی چیخ و پکار کی طرف سے بند تھے۔

وہ مرے اس لئے کہ اپنے دشمنوں سے بزدلوں کی طرح محبت اور اپنے چاہنے والوں سے بے دینوں کی طرح نفرت نہ کر سکے۔

وہ مرے اس لئے کہ گناہ گار نہ تھے۔

وہ مرے اس لئے کہ انہوں نے ظالموں پر ظلم نہیں کیا۔

وہ مرے اس لئے کہ امن پسند تھے۔

وہ مرے اور اس سرزمین پر بھوک مرے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

وہ مرے اس لئے کہ جہنمی اژدھے ان کے کھیتوں کے سارے مویشی اور مودی خاندانوں کا سارا اناج ہڑپ کر گئے۔

وہ مرے اس لئے کہ سانپوں...... پشتینی سانپوں...... نے اس فضا کو اپنی پھنکاروں سے مسموم کر دیا، جو چنبیلی گلاب اور صنوبر کی خوشبوؤں سے معطر تھی۔

اے اہل شام میرے اور تمہارے عزیز و اقارب مر گئے، بتاؤ اب ہم ان کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں۔ جو موت کے چنگل سے بچ گئے ہیں؟

ہماری آہیں ان کے دام واپسیں کو نہیں روک سکتیں اور ہمارے آنسو ان کی شدید پیاس نہیں بجھا سکتے!

تو پھر ہم انہیں بھوک اور پیاس سے کیسے نجات دلائیں۔"

کیا ہم شک وتردد اور غفلت اور بے پرواہی کے عالم میں اس المناک حادثہ کی طرف سے آنکھیں بند کئے یا زندگی کے حقیر اور معمولی کاموں میں مصروف رہیں؟

اے میرے شامی بھائی! وہ جذبہ، جو تجھے اپنے لب گور بھائی کی امداد کے لئے ابھارتا ہے ایک عدیم المثال امتیاز ہے جو تجھے دن کی روشنی اور رات کی خاموشی سے لطف اندوز ہونے کا مستحق بناتا ہے۔

اور وہ روپیہ جو تو اپنی طرف پھیلے ہوئے خالی ہاتھ پر رکھتا ہے ایک سنہری حلقہ ہے جو تری انسانیت کو ماورائے انسانیت سے ملاتا ہے۔

*****

فلسفہ محرومی

رات کی تاریکیوں میں ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔

رات کی تاریکیوں میں ہم چلاتے ہیں، فریاد کرتے ہیں اور موت کا سایہ ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ اس کے سیاہ بازو ہم پر چھائے ہوتے ہیں اور اس کا خوفناک ہاتھ ہماری روحوں کو جہنم کی طرف گھسیٹتا ہے لیکن اس کی آتشیں نگاہیں، دور افق پر جمی ہوتی ہیں۔

رات کی تاریکیوں میں موت گرم رفتار ہوتی ہے اور ہم خوف و دہشت سے آہ و زاری کرتے، اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، ہم میں کوئی نہیں ہوتا جو ٹھہر سکے، یا جس کے دل میں ٹھہرنے کی آرزو ہو۔

رات کی تاریکیوں میں موت ہمارے آگے آگے ہوتی ہے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے جب کبھی وہ پلٹ کر دیکھتی ہے ہم میں سے ہزاروں سڑک کے کنارے گر پڑتے ہیں اور جو گر جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے کہ پھر کبھی نہیں اٹھتا اور جو نہیں گرتا وہ اپنے ارادوں کے خلاف چلتا رہتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ گرے گا اور سونے والوں کے ساتھ سوئے گا لیکن موت؟...... وہ دور افق پر نگاہیں جمائے چلتی رہتی ہے۔

رات کی تاریکیوں میں بھائی اپنے بھائی کو، باپ اپنے بیٹوں کو اور ماں اپنے بچے کو پکارتی ہے اور ہم سب کے سب بھوکے پیاسے اور تھکے ماندے ہوتے ہیں، لیکن موت، نہ بھوکی ہوتی ہے، نہ پیاسی اس لئے کہ اس کی غذا سامان ہماری روح اور جسم اور اس کی پیاس کا سامان ہمارے آنسو اور خون ہیں۔ پھر بھی اس کا پیٹ اچھی طرح بھرتا ہے نہ پیاس بجھتی ہے۔

رات کے ابتدائی حصہ میں بچہ ماں کو پکار کر کہتا ہے۔

”اماں مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“

اور ماں جواب دیتی ہے۔

''بیٹا! تھوڑی دیر صبر کر!!''

آدھی رات کو بچہ پھر ماں کو آواز دیتا ہے۔

''اماں میں بھوکا ہوں، مجھے روٹی کھلا دو!''

اور وہ جواب میں کہتی ہے۔

''بیٹا! میرے پاس روٹی نہیں ہے!''

پچھلی رات کو موت، ماں اور اس کے بچہ کے پاس سے گزرتی ہے اور اپنے ہاتھوں سے ان کے چت رسید کرتی ہے، وہ سڑک کے کنارے سو جاتے ہیں لیکن موت دور افق پر نگاہیں جمائے چلتی رہتی ہے۔

صبح کو مرد رزق کی تلاش میں کھیت کی طرف جاتا ہے لیکن وہاں خاک اور پتھر کے سوا کچھ نہیں پاتا۔

دوپہر کو وہ تھکا ماندہ خالی ہاتھ اپنے بیوی بچوں کے پاس آ جاتا ہے اور جب شام ہوتی ہے تو موت مرد اور اس کے بیوی بچوں کے پاس سے گزرتی ہے اور انہیں سوتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور پھر دور افق پر نگاہیں جمائے چلی جاتی ہے۔

صبح کو کسان اپنی جھونپڑی سے نکلتا ہے اور اپنی ماں بہنوں کا گہنا لے کر شہر میں جاتا ہے کہ اسے فروخت کر کے گیہوں خریدے، لیکن جب سہ پہر کو وہ ایسی حالت میں کہ اس کے پاس سامان خورد و نوش ہوتا ہے نہ گہنا، اپنے گاؤں واپس آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ماں بیٹیاں سو رہی ہیں مگر ان کی نگاہیں ایک موہوم نقطہ پر جمی ہیں، اس پرندہ کی طرح جسے صیاد کے تیر نے گرا لیا ہو، وہ اپنے بازو کبھی آسمان کی طرف اٹھاتا ہے کبھی زمین کی طرف گراتا ہے، شام کو موت، کسان اور اس کی ماں بہنوں کے پاس سے گزرتی ہے اور انہیں سوتا دیکھ کر مسکراتی ہے پھر دور افق پر نگاہیں جمائے چلی جاتی ہیں۔

رات کی تاریکیوں میں..... اور رات کی تاریکیوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ اے روشنی میں چلنے پھرنے والو! ہم تمہیں پکارتے ہیں لیکن کیا تم ہماری پکار سنتے ہو؟

ہم نے اپنے مردوں کی روحوں کو پیغامبر بنا کر تمہارے پاس بھیجا، لیکن جو کچھ انہوں نے

کہا، کیا وہ تمہارے دماغوں میں محفوظ ہے؟

ہم نے مشرقی ہواؤں کو اپنے انفاس سے گراں بار کیا لیکن کیا وہ ہوائیں تمہارے دور دراز ساحلوں تک پہنچیں اور انہوں نے اپنا بھاری بوجھ تمہارے سامنے رکھا؟

کیا تم نے ہماری مصیبت کا اندازہ کر کے ہمیں اس سے نجات دلانے کی کوشش کی؟ یا خود کو امن و سلامتی میں پا کر کہہ دیا۔

''روشنی کے رہنے والے ظلمت زادوں کے ساتھ اس کے سوا اور کیا سلوک کر سکتے ہیں کہ مردوں کو بلائیں اور ان سے کہیں کہ ان چلتی پھرتی لاشوں کو دفن کر دو، تا کہ مشیت الٰہی کی تکمیل ہو جائے!''

لیکن کیا تم اپنے تئیں موجودہ سطح سے بلند نہیں کر سکتے تا کہ خدا تم کو اپنی مشیت بنا لے اور تم ہمارے معاون و مددگار ہو جاؤ۔''

رات کی تاریکیوں میں ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں؟

رات کی تاریکیوں میں بھائی اپنے بھائی کو، ماں اپنے بیٹے کو، شوہر اپنی بیوی کو اور عاشق اپنی محبوبہ کو پکارتا ہے اور جب ہماری آوازیں آپس میں گھل مل کر فضا کے جگر کی طرف بلند ہوتی ہیں تو موت ایک لمحہ کے لئے ٹھہر کر ہم پر ہنستی ہے اور ہمارا مذاق اڑاتی ہے، پھر دور افق پر نگاہیں جمائے چلی جاتی ہے!''

*****

فلسفہ قانون فطرت

کتنا عجیب ہے زمانہ اور کتنے عجیب ہیں ہم!

زمانہ بدلا اور اپنے ساتھ ہمیں بھی بدل گیا۔ اس نے ہماری رہنمائی کی اور ہم اس کے ساتھ ساتھ ہو گئے۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹی اور ہم سب کچھ بھول کر مسرت در آغوش ہو گئے!

کل تک ہم زمانے سے ڈرتے اور اس کی شکایت کرتے تھے، لیکن آج اس کے دوست ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں بلکہ اس کی فطرت و غایت اور اسرار و رموز کو سمجھنے لگے ہیں۔

کل تک ہم بچتے بچاتے، چھپتے چھپاتے رینگتے تھے۔ ان پرچھائیوں کی طرح، جو رات کی ہول آفرینیوں اور دن کی خوفناکیوں کے درمیان لرزتی کانپتی ہیں، لیکن آج کوہستانی راہوں پر دندناتے پھرتے ہیں جو تند و تیز آندھیوں کی کمین گاہیں اور برق و رعد کا سرچشمہ ہیں۔

کل تک ہم خون سے گندھی ہوئی روٹی کھاتے اور آنسو ملا پانی پیتے تھے لیکن آج صبح پریوں کے ہاتھ سے من و سلویٰ کھاتے اور بہار کی عطر بیزیوں سے معطر شراب پیتے ہیں۔

کل تک ہم تقدیر کے ہاتھ کا کھلونا تھے اور تقدیر، طاقت و قوت کے نشہ میں چور ہمیں جس طرح چاہتی، نچاتی تھی، لیکن آج جب کہ اس کا نشہ اتر چکا ہے، ہم اس کے ساتھ کھیلتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ کھیلتی ہے ہم اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اور وہ ہنستی ہے۔ ہم اس کی قیادت کرتے ہیں اور وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔

کل تک ہم بتوں کے سامنے خوشبوئیں سلگاتے اور غضب ناک دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھاتے تھے لیکن آج اپنی روح کے سوا کسی کے سامنے خوشبوئیں نہیں سلگاتے اور اپنی ذات کے سوا، کسی پر بھینٹ نہیں چڑھاتے۔ اس لئے کہ سب سے بڑے اور سب سے حسین دیوتا نے

ہمارے سینہ کو اپنی جلوہ گاہ بنالیا ہے۔

کل تک ہم بادشاہوں سے ڈرتے تھے اور ہماری گردنیں ان کے سامنے خم ہو جاتی تھیں لیکن آج حق کے سوا، کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے، حسن کے سوا، کسی کی اطاعت نہیں کرتے اور محبت کے سوا کسی کے آرزو مند نہیں ہوتے۔ کل تک ہماری نگاہیں پادری کے چہرہ پر نہ پڑ سکتی تھیں اور ہم نجومیوں کو دیکھتے ہوئے خوف محسوس کرتے تھے۔ لیکن آج جب کہ زمانہ اور زمانہ کے ساتھ ہم بدل چکے ہیں۔ سورج کے سوا کسی پر نگاہیں نہیں جماتے۔ سمندر کے نغمہ کے سوا کوئی آواز نہیں سنتے اور بگولوں کے سوا کسی کے ساتھ جنبش نہیں کرتے۔

کل تک ہم اپنی روح کے محل ڈھاتے تھے تا کہ ان کی بنیادوں پر اپنے آباؤ اجداد کی قبریں تعمیر کریں لیکن آج ہماری روح مقدس قربان گاہ ہے جس کے قریب گزرے ہوئے زمانہ کی پرچھائیاں آ سکتی ہیں نہ اسے موت کی بوسیدہ انگلیاں چھو سکتی ہیں۔

ہم نسیان و فراموشی کے گوشوں میں چھپی ہوئی خاموش فکر تھے لیکن اب بلند آواز ہیں جو فضا کی گہرائیوں میں لرزش پیدا کر دیتی ہے۔

ہم راکھ میں دبی ہوئی چھوٹی سی چنگاری تھے لیکن اب بھڑکتی ہوئی آگ ہیں جس نے وادیوں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

ہم نے کتنی راتیں گم شدہ محبت اور ضائع کردہ رزق کے لئے روتے ہوئے جاگ کر کاٹی ہیں اس طرح کہ زمین ہمارا بستر تھی اور برف ہمارا لحاف ہم نے کتنے دن بیٹھے بیٹھے گزارے ہیں۔ بھیڑوں کے اس ریوڑ کی طرح جس کا چرواہا نہ ہو اور اس حالت میں کہ ہم اپنے افکار کو دانتوں سے توڑتے اور اپنے جذبات کو داڑھوں میں چباتے تھے لیکن پھر بھی بھوکے کے بھوکے اور پیاسے کے پیاسے ہی رہتے تھے۔ ہم کتنی مرتبہ دونوں وقت ملتے کھڑے ہوئے ہیں۔ اس عالم میں کہ شباب رفتہ کا ماتم کرتے تھے۔ ایک انجان چیز کی تمنا میں جان دیتے تھے۔ نامعلوم اسباب کی بنا پر وحشت زدہ ہوتے تھے خالی اور تاریک فضا کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے تھے اور سکون و مستی کی آہ و فغاں پر کان لگاتے تھے۔

لیکن وہ زمانہ گزر گیا جس طرح بھیڑیا قبرستان سے گزر جاتا ہے اور آج جب کہ فضا بھی صاف ہے اور ہم بھی صحت مند ہم اپنی روشن راتیں شاندار مسہریوں پر گزارتے ہیں۔ اس طرح کہ

خیال کے ساتھ جاگتے ہیں، فکر کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور امیدوں سے گلے ملتے ہیں۔ ہمارے اردگرد آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں اور ہم انہیں اپنی غیر مرتعش انگلیوں سے پکڑ لیتے ہیں۔ ہر طرف جنوں کے سائے نمودار ہوتے ہیں اور ہم ان سے غیر مشتبہ زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ فرشتوں کے گروہ ہمارے پاس سے گزرتے ہیں اور انہیں اپنے دل کے شوق سے لبھاتے اور اپنی روح کے نغموں سے مخمور کرتے ہیں۔

ہم کل یہ تھے اور آج یہ ہیں اور یہی اپنی اولاد کے متعلق دیوتاؤں کی مرضی ہے! لیکن اب تمہارا ارادہ کیا ہے؟ اے ابلیس زادو!

جب سے تم زمین کے شگافوں سے نمودار ہوئے ہو، ایک قدم بھی تم نے آگے کی طرف بڑھایا؟ جب سے شیطانوں نے تمہاری آنکھیں کھولی ہیں کبھی بلندی کی طرف تم نے نگاہ اٹھا کر بھی دیکھا؟ جب سے سانپوں کی پھنکار نے تمہارے ہونٹ چومے ہیں، حق کی راہ میں ایک کلمہ بھی تم نے اپنی زبان سے نکالا؟ جب سے موت نے تمہارے کانوں میں روئی ٹھونسی ہے ایک لمحے کے لئے بھی تم نے زندگی کے نغمہ پر کان لگائے؟

ستر ہزار (70,000) برس پہلے میں نے تمہیں دیکھا تو اس وقت بھی تم کیڑے مکوڑوں کی طرح غاروں کے گوشوں میں رینگ رہے تھے اور اب اتنی طویل مدت کے بعد، سات منٹ ہوئے کہ میں نے اپنی کھڑکی کے شیشہ میں سے تم پر نگاہ ڈالی۔ سو اب بھی تم ناپاک گلیوں میں رے مارے پھر رہے ہو۔ گمنامی کے شیطان تمہاری رہنمائی کر رہے ہیں۔ غلامی کی بیڑیاں تمہارے پاؤں میں پڑی ہیں اور موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔

تم آج بھی وہی ہو جو کل تھے اور کل اور اس کے بعد بھی ویسے ہی رہو گے جیسا میں نے شروع میں تمہیں دیکھا تھا۔

لیکن ہم کل یہ تھے اور آج یہ ہیں اور یہی اپنی اولاد کے متعلق دیوتاؤں کا قانون ہے۔ مگر اے ابلیس زادو! تمہارے متعلق ابلیس کا قانون کیا ہے؟

*****

فلسفہ عرفان نفس

بیروت کی ایک برشگالی رات میں سلیم آفندی اپنی میز کے پاس بیٹھا جس پر وہ پرانی کتابوں اور کاغذوں کا انبار لگاتا تھا۔ کتابوں کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی سر اٹھا کر اپنے موٹے موٹے ہونٹوں سے سگریٹ کا دھواں چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے فلسفہ کی ایک چھوٹی سی کتاب تھی جو سقراط نے اپنے محبوب شاگرد افلاطون کے لئے ''عرفان نفس'' کے موضوع پر لکھی تھی۔

سلیم آفندی وہ نفیس کتاب پڑھ رہا تھا اور فلاسفہ متقدین کے وہ اقوال یاد کر رہا تھا جو اس موضوع سے متعلق تھے، یہاں تک کہ مشرقی اور مغربی مفکرین کے تمام نظریات اس کے ذہن میں تازہ ہو گئے اور اس کی ذات ''عرفان نفس'' کی گہرائیوں میں غرق ہو گئی۔

اچانک وہ چونکا اور انگڑائی لے کر بلند آواز میں کہنے لگا۔

''ہاں! ''عرفان نفس'' ہی معارف عالیہ کا سرچشمہ ہے، اس لئے مجھ پر فرض ہے کہ میں اپنی ذات کو پہچانوں، اس کی تمام حقیقتوں سے واقف ہوؤں، اس کے ہر پہلو اور ہر گوشے کو سمجھوں، مجھ پر واجب ہے کہ اسرار نفس سے پردہ اٹھاؤں اور اپنے دل کے بھیدوں کے متعلق جو شبہ مجھے ہے اسے دور کروں بلکہ میرے لئے ناگزیر ہے کہ اپنے وجود معنوی کی غایت اپنے وجود ظاہری کو بتاؤں اور اپنے وجود ظاہری کے اسرار اپنے وجود معنوی پر منکشف کروں!''

یہ کلمات اس نے ایک عجیب جوش کے ساتھ ادا کئے، اس کی آنکھوں میں عرفان نفس کی محبت کے شعلے بھڑک رہے تھے اس کے بعد وہ سامنے والے کمرے میں گیا اور آئینے کے سامنے جو کمرے کے فرش کو چھت سے ملا رہا تھا، بت کی طرح ساکت وصامت کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں اپنے عکس پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اپنے چہرے کو نہایت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے سر، اپنے قد اور

اپنی مجموعی ہیئت کا اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا۔

وہ آدھ گھنٹہ تک اسی طرح بے حس وحرکت کھڑا رہا۔ گویا ازلی فکر نے اس پر وہ افکار نازل کر دیئے ہیں جو اپنی بلندی کی بنا پر ہولناک ہیں اور جن کے واسطے سے وہ اپنی روح کی گتھیاں سلجھا سکتا اور اپنی ذات کی خلاؤں کو روشنی سے لبریز کرسکتا ہے۔

اس نے اپنے لب وا کیئے اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

''میں کوتاہ قد ہوں اور اسی طرح نپولین اور وکٹر ہیوگو بھی کوتاہ قد تھے۔ میری پیشانی تنگ ہے اور اسی طرح سقراط اور ارسپنوز کی پیشانی بھی تنگ تھی۔

میرے سر کے اگلے حصہ کے بال اڑے ہوئے ہیں اور یہی حال شیکسپیئر کا تھا۔

میری ناک لمبی اور ایک طرف جھکی ہوئی ہے اور اسی طرح سفیر ولا دالٹیر اور جارج واشنگٹن کی ناک بھی لمبی اور ایک طرف جھکی ہوئی تھی۔

میری آنکھ میں عیب ہے اور اسی طرح سینٹ پال اور نٹشے کی بھی آنکھ میں عیب تھا۔

میرے ہونٹ موٹے اور نیچے کا ہونٹ آگے نکلا ہوا تھا اور اسی طرح سیرن اور لوئی چہاردہم کے بھی ہونٹ موٹے اور نیچے کا ہونٹ آگے نکلا ہوا تھا۔

میری گردن موٹی ہے اور اسی طرح ہانی بال اور مارکس انطونیو کی گردن بھی موٹی تھی۔

میرے کان لمبے اور وحشیوں کی طرح جھکے ہوئے ہیں اور اسی طرح برونو اور سروانٹیز کے کان بھی لمبے اور وحشیوں کی طرح جھکے ہوئے تھے۔

میرے رخسار کی ہڈی ابھری ہوئی اور کلے پچکے ہوئے ہیں اور یہی کیفیت لافیات اور لنکن کی تھی۔

میری ٹھوڑھی دھنسی ہوئی ہے اور اسی طرح گولڈسمتھ اور ولیم کی ٹھوڑھی بھی دھنسی ہوئی تھی۔

میرے کندھے اونچے نیچے ہیں اور اسی طرح گوئٹے اور ادیب اسحاق کے کندھے بھی اونچے نیچے تھے۔

میری ہتھیلیاں بھدی اور انگلیاں چھوٹی ہیں اور یہی حالت بلیک اور دانتے کی تھی۔

مختصر یہ کہ میرا جسم کمزور اور دبلا پتلا ہے اور یہ ان مفکرین کی خصوصیت ہے جنہوں نے اپنی جسمانی قوتیں، ذہنی مقاصد کے حصول میں صرف کی ہیں۔

حیرت ہے کہ بلزاک کی طرح جب تک میرے پہلو میں قہوہ کی کیتلی نہ ہو، میں لکھ پڑھ نہیں سکتا، علاوہ ازیں میکسم گورکی اور ٹالسٹائی کی طرح مجھے بھی دیوانوں اور بازاری لوگوں سے ملنے کا شوق ہے۔ یہی نہیں بلکہ بیتھوون اور ولٹ وٹمن کی طرح مجھے بھی ہاتھ منہ دھوئے دو دن ہو جاتے ہیں۔

ان سب سے زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ بوکاشیو اور ریالے کی طرح مجھے بھی عورتوں کے حالات معلوم کرنے میں لطف آتا ہے بالخصوص ان کی حرکات دریافت کرنے میں جو وہ اپنے شوہروں کی غیر موجودگی میں کرتی ہیں۔

اب صرف دو سوال رہ جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں شراب کا رسیا کیوں ہوں؟ اور دوسرا یہ کہ مجھے مرغن غذاؤں اور انواع و اقسام کے کھانوں سے چنے ہوئے دستر خوان کیوں پسند ہیں۔ جواب یہ ہے کہ میرا پہلا شوق ابونواس، ڈی موسہ، اور مارکو کے شوق سے مشابہ ہے اور دوسرا شوق نہم پطرس اعظم اور سلطان بشیر شہابی کے شوق سے ملتا جلتا ہے۔

سلیم آفندی تھوڑی دیر کے لئے رک گیا اور پھر اپنی پیشانی پکڑ کر کہنے لگا۔

"یہ ہوں میں، اور یہ ہے کہ میری حقیقت۔ بالفاظ دیگر میں ان تمام خوبیوں کا مالک ہوں، جو تاریخ کے آغاز سے لے کر اس زمانے تک بڑے بڑے آدمیوں کا طغرائے امتیاز رہی ہیں اور اس نوجوان کے لئے جس میں یہ خصوصیات موجود ہوں۔ ضروری ہے کہ وہ اس دنیا میں کوئی بڑا کام کرے۔

عرفان نفس، حکمت و فلسفہ کا مقصد اعلیٰ ہے اور میں نے آج کی رات اپنے نفس کا عرفان حاصل کر لیا ہے۔ اس لئے میں آج ہی کی رات سے وہ عظیم الشان کام شروع کر دوں گا جس کی طرف مجھے اس عالم کی حقیقت بلا رہی ہے..... وہ حقیقت جو مختلف اور متعدد عناصر کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے۔

میں نے نوح سے لے کر سقراط اور بوکاشیو سے لے کر احمد فارس شدیاق تک کے بڑے بڑے لوگوں کی ہمراہی اختیار کر لی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ عظیم الشان کام کیا ہے۔ جو میرے ہاتھوں انجام پذیر ہوگا؟ لیکن وہ مرد جس کی شخصیت ظاہری اور ذات معنوی میں وہ تمام صفات موجود ہوں جو مجھ میں ہیں، قطعی طور پر "معجزات زمانہ" میں سے ہونا چاہیے۔

میں نے خود کو پہچان لیا۔ ہاں! دیوتاؤں کی قسم! میں نے اپنی ذات کو پہچان لیا۔ اس لئے مجھے زندہ، میری ذات کو قائم اور اس کائنات کو کائنات کی حیثیت سے اس وقت تک باقی رہنا چاہیے جب تک میں اپنا کام ختم نہ کر لوں۔"

سلیم آفندی کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے گھناؤنے چہرے پر مسرت کے آثار تھے اور وہ ایک ایسی آواز میں جس کا بلند آہنگی سے وہی تعلق تھا جو بلی کی میاؤں میاؤں کو ہڈیوں کی کھڑکھڑاہٹ سے ہوتا ہے ابوالعلا معری کا یہ شعر بار بار پڑھ رہا تھا۔

میں اگرچہ آخری زمانے میں پیدا ہوا ہوں
لیکن وہ کام کروں گا جو میرے پیشرو نہ کر سکے

تھوڑی دیر کے بعد ہمارے دوست بالباس پریشان، اپنی جھلنگی چارپائی پر محوخواب تھے اور ان کے خراٹے فضا کو ایک ایسے نغمہ سے گراں بار کر رہے تھے جو آدمی کی آواز کے مقابلہ میں چکی کی گھرگھراہٹ سے زیادہ قریب تھا۔

*****

فلسفہ قہر

روشنائی سے لکھنے والا، خون دل سے لکھنے والے کی برابری نہیں کر سکتا۔
اور وہ خاموشی، جو ناکامی واداسی کی ترجمان ہے اس خاموشی کی ہم مرتبہ نہیں ہو سکتی جو رنج و غم کی تخلیق کرتی ہے۔
میں نے خاموشی اختیار کر لی، اس لئے کہ دنیا کے کان کمزوروں کی آہ زاری سے ہٹ کر دوزخ کی چیخ وپکار پر لگ گئے اور دانائی اسی میں ہے کہ جب ضمیر وجود میں چھپی ہوئی قوتیں...... وہ قوتیں جن کی زبان توپیں ہیں اور الفاظ بم کے گولے...... برسر تکلم ہوں تو کمزور خاموش ہو جائے۔
ہم آج کل اس زمانہ میں ہیں، جس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ اپنے پیش روزمانہ کے بڑے سے بڑے حصہ سے بڑا ہے، اس لئے وہ امور جن میں ہمارے افکار، میلانات اور جذبات الجھے رہتے تھے، ایک گوشہ میں سمٹ کر رہ گئے ہیں اور وہ مشکلات و مسائل جو ہمارے عقیدوں اور اصولوں سے کھیلتے تھے نسیان وفراموشی کے پردہ میں چھپ گئے ہیں۔
رہے وہ لطیف خیالات اور دلکش سائے جو ہمارے محسوسات کے اسٹیج پر رقصاں تھے۔ سو وہ کہر کی طرح فضا میں منتشر ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ ان قہرمانی قوتوں نے لے لی ہے جو آندھیوں کی طرح چلتی، سمندروں کی طرح اٹھلاتی اور کوہ آتش فشاں کی طرح سانس لیتی ہیں۔
لیکن ان قہرمانی قوتوں کا مقابلہ ختم ہو جانے کے بعد، دنیا کس طرح جائے گی؟
کیا کسان اپنے اس کھیت میں واپس آ کر کھیتی باڑی کرے گا جہاں موت نے مقتولوں کی کھوپڑیاں بوئی ہیں؟
کیا چرواہا اپنے گلے کو اس چراگاہ میں چرائے گا جس کی زمین پر تلواروں نے جگہ جگہ شگاف ڈال دیئے ہیں؟ کیا وہ اپنے ریوڑ کو ان چشموں کے کنارے لے جائے گا جن کے پانی میں تازہ

تازہ خون شامل ہے۔

کیا عابد اس ہیکل میں نماز عبودیت ادا کرے گا جہاں شیطان ناچ رہے ہیں، کیا شاعر اپنا قصیدہ ان ستاروں کے سامنے پڑھے گا جنہیں دھوئیں نے چھپا رکھا ہے؟ کیا مغنی اس رات میں اپنے گیت سنائے گا جس کی خاموشی ہولناکیوں سے گلے مل رہی ہے۔

کیا ماں اپنے شیر خوار بچے کے پنگوڑہ کے پاس بیٹھ کر اسے لوریاں دے گی اور آنے والے دن کی خوفناکیوں سے لرزہ براندام نہ ہوگی؟

کیا عاشق اپنی محبوبہ سے ملے گا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پیار کریں گے جہاں دشمن اپنے دشمن کے مقابلہ پر آکر، معرکہ آراء ہو چکا ہے؟

کیا بہار دنیا میں پھر آئے گی اور اس کے زخمی جسم پر اپنی سبز چادر ڈالے گی؟

کاش میں جانتا کہ کیا بہار اس دنیا میں پھر آئے گی؟

☆☆☆☆☆

میرے اور تمہارے ملک کا انجام کیا ہوگا؟ اور وہ کونسی قہرمانی قوت ہے جو ان ٹیلوں اور پہاڑوں پر ہاتھ رکھے گی، جنہوں نے ہمیں مرد اور عورت بنا کر، اس دنیا میں نمودار کیا!

کیا شام اسی طرح بھیڑیوں کے غاروں اور خنزیروں کی باڑوں میں پڑا رہے گا یا ہم آندھیوں کے ساتھ شیر کے بن اور عقاب کے بلند مسکن کی طرف جائیں گے؟

کیا لبنان کی چوٹیوں پر صبح کا ستارہ طلوع ہوگا؟

جب کبھی مجھے تنہائی نصیب ہوتی ہے تو میں اپنے نفس سے یہ سوالات کرتا ہوں مگر نفس قضاء و قدر کی طرح دیکھتا ہے سب کچھ ہے بولتا نہیں۔ چلتا ضرور ہے، پلٹ کر نہیں دیکھتا، اس کی نگاہیں روشن ہیں اور قدم گرم رفتار، لیکن اس کی زبان جکڑی ہوئی ہے!

لوگو! تم میں کون ہے، جو شب و روز اپنے نفس سے یہ سوال نہیں کرتا کہ "جب قہرمانی قوتیں، اپنے چہروں پر بیواؤں اور یتیموں کے آنسوؤں کی نقاب ڈال لیں گی تو اس وقت دنیا اور دنیا والوں کا حشر کیا ہوگا؟"

میں نشو و ارتقاء کی سنت کا قائل ہوں اور میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ سنت وجود ظاہری کے ساتھ

وجود معنوی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے چنانچہ جب مخلوق مناسب سے مناسب تر کی منزل میں آتی ہے تو مذہب اور حکومت بھی خوب سے خوب تر ہو جاتے ہیں اور اس بنیاد پر اس سنت کی رجعت بھی ظاہری ہے اور انحطاط بھی سطحی۔

سنت ارتقاء کی بہت سی راہیں ہیں، جو باعتبار فرع ایک دوسرے سے مختلف سہی، لیکن باعتبار اصل ایک ہیں۔ اس کا ظاہری پہلو بہت بے رحم اور تاریک ہے، جس سے محدود عقلیں انکار کرتی ہیں، اور کمزور دل بغاوت، لیکن اس کا باطنی پہلو عادل اور روشن ہے، اس حق سے چمٹا ہوا ہے، جو افراد کے حقوق سے بلند ہے، اس غرض پر نگاہیں جمائے ہوئے ہے جو جماعت کی اغراض سے اعلیٰ ہے، اس آواز پر کان لگائے ہوئے ہے، جو غم زدوں کی آہوں اور غمگینوں کی سسکیوں کو اپنے خوف اور شیرینی میں جذب کر لیتی ہے۔

میرے گردوپیش، ہر جگہ وہ بونے ہیں جو دور سے جنگ آزما قہرمانی قوتوں کی پرچھائیوں کی پرچھائیاں دیکھتے ہیں سوتے ہیں ان کے نعرہ ہائے مسرت کی صدائے بازگشت سنتے ہیں اور مینڈکوں کی طرح چلاتے ہیں۔

"دنیا اپنی ابتدائی فطرت کی طرف لوٹ گئی۔ قوموں نے اپنے علم وفن کی مدد سے جو کچھ بنایا تھا، اسے وحشی انسان کی حرص دانانیت نے ڈھا دیا، چنانچہ آج ہمارا وہی حال ہے جو غاروں میں رہنے والے انسان کا تھا۔ آج اگر ہمیں ان سے کوئی چیز ممتاز کرتی ہے تو یہ وہی آلات ہیں جو ہم نے تباہی کے لئے ایجاد کئے ہیں یا پھر وہ حکمت وتدبیر جسے ہم ہلاکت کے لئے کام میں لاتے ہیں۔"

یہ بات وہ لوگ کہتے ہیں جو عالم کے ضمیر کو اپنے ضمیروں کی ترازو میں تولتے ہیں اور ہستی کی غایت کے تجزیہ کے لئے اس کوتاہ عقل سے کام لیتے ہیں جسے وہ اپنے وجود شخصی کی حفاظت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ گویا آفتاب صرف اس لئے ہے کہ انہیں حرارت پہنچائے اور سمندر صرف اس لئے کہ وہ اس میں اپنے پاؤں دھوئیں۔

☆☆☆☆☆

زندگی کے سینے سے، محسوسات کے پیچھے سے، نظام ہستی کی گہرائیوں سے، جہاں اسرار وجود پوشیدہ ہیں، قہرمانی قوتیں ہوا کی طرح ابھریں، بادلوں کی طرح بلند ہوئیں اور پہاڑوں کی

طرح آپس میں مل گئیں۔اب وہ برسرپیکار ہیں، دنیا کی ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے جو تباہی و بربادی کے بغیر کبھی حل نہیں ہوسکتیں۔

لیکن انسان، اس کے علوم وفنون، اس کی محبت ونفرت اور اس کا صبر واضطراب اور درد بے چینی۔ یہ سب وہ آلات ہیں جنہیں قہرمانی قوتیں، اس مقصد اعلیٰ کو حاصل کرنے کا ذریعہ بناتی ہیں جس تک پہنچنا ضروری ہے۔

رہا وہ خون جو بہایا گیا سو وہ کوثر کی نہریں بن کر پھوٹے گا، رہے وہ آنسو جو بکھیرے گئے، سو وہ خوشبودار پھول بن کر اگیں گے۔ رہیں وہ جانیں جو ضائع کی گئیں سو وہ ایک جگہ جمع ہو کر نئی صبح کی شکل میں نئے افق سے طلوع ہوں گی اور اس وقت انسان کو معلوم ہوگا کہ اس نے حق کو ابتلاء کے بازار سے خریدا ہے۔ ہاں! وہ سمجھ لے گا کہ حق کی راہ میں خرچ کرنے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا!

لیکن بہار؟...... بہار ضرور آئے گی! مگر جو کوئی اس کا تحفہ سرائی ہاتھوں سے لینے پر تیار نہ ہوگا وہ ہمیشہ اس سے محروم رہے گا!!

*****

فلسفہ دہشت

سیاہ رات مسلط بر سر کائنات ہو چکی۔ تیز جھونکے اونچے اونچے درختوں سے دیوانوں کی طرح ٹکرا رہے ہیں۔ ہر چہار طرف اک گہری گہری خاموشی ہے اور موت کا سناٹا۔

ایسے وقت میں ایک غیر مبہم دہشت مجھ پر طاری ہے دل پریشان ہے اور خیالات خیابان چکر کاٹتے ہوئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سرسراتے ہوئے جھونکوں میں ہزاروں بھوت برسرپیکار ہیں۔

فضاؤں میں سیاہ فام چڑیلیں مصروف جدل ہیں اور رو رو کر ماحول کو وحشت ناک بنا رہی ہیں۔

جبھی تو پتے پتے پر خوف اور ذرے ذرے پر کپکپاہٹ طاری ہے۔

آہ! یہ نامعلوم سا خوف تو مجھے اور بھی متوحش کر رہا ہے۔ میرے کمزور دل کی دھڑکن لحہ بہ لحہ ترقی پذیر ہے۔

دور جھاڑی سے کوئی ننھا سا پرندہ چیخ پڑا۔ اس کی غمگین راگنی! جیسے اداسی کی دیوی کوئی پُر الم نوحہ پڑھ رہی ہو۔

کتے چلاتے چلاتے تھک گئے۔ جھینگر شور مچا رہے ہیں اور الو فلسفہ کے کسی خاص نقطہ پر پہنچنے کے لئے سرگرم تحقیقات ہیں۔

میری روح قالب سے علیحدہ ہونے کو بیقرار ہے اور شدت دہشت سے جسم لرزہ بر اندام۔

لرزتے ہوئے سائے بل کھا رہے ہیں جیسے غیر مرئی وادیوں کی روحیں آنکھ مچولی میں مصروف ہوں۔ اونچے اونچے درخت اور پھیلی ہوئی جھاڑیاں دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ جنات ہیولائی بھٹک رہے ہیں۔

خزاں کے دھندلے آسمان پر مدھم سا چاند چمک رہا تھا۔ اس نے بھی بادلوں کی اوٹ میں

منہ چھپالیا جیسے نیکی اور پاکیزگی کے فرشتے نے چہرے پر نقاب ڈال لیا ہو۔ اہل دہر کی لغزشوں کی تاب نہ لا کر انگشت بدنداں ہو اور نیکیوں کو کانپ کانپ کر فضا میں تحلیل ہوتے دیکھ کر سا کت۔

''مقدس معبود!'' میں غیر اختیاری طور پر پکار اٹھتا ہوں۔ مجھے اس روح فرسا ماحول سے بچا جہاں گناہوں کی سیاہی برسر اوج ہے اور اک پوشیدہ سا خوف ابھرتا ہے، دیتا ہے اور پھر تسلط کائنات کر لیتا ہے۔

''محافظ'' حقیقی! مجھے اپنی پناہ میں لے لے انک علیٰ کلی شئی قدیر میں تیری پُرسطوت حفاظت میں آنا چاہتا ہوں۔ جہاں نور ہی نور ضوفشاں ہے اور قدسیت کا دور دورہ۔ جہاں کسی دہشت کا شائبہ تک نہیں اور نیکی گناہوں میں معدوم نہیں ہوتی۔

*****

فلسفہ آزادی

موسم خزاں کے ملگجے سے دھندلے آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔ دم بخو دصورت بیمار! شعلہ ہائے آہ کو اشکوں سے بجھانے میں محو جیسے اس قوم کی بیچارگی پر از خود رمیدہ ہوں جس کا حق آزادی غلامی کی قابل نفرت ساحرہ نے سلب کرلیا ہے۔

لیکن ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان آسمانی دریچوں سے کبھی آزادی کی حسین دیوی بھی جھانک لے۔ ان الم رسیدہ اور گرفتار قفس انسانوں کو اپنی جھلک دکھادے۔ جس کے بربط ہائے ہستی کے تار حسرتوں نے توڑ دیئے۔ جن کی روحیں غلامی کے بوجھ سے دبی جارہی ہیں اور دل ان قابل نفرت احساس کی تاب نہ لاکر چور چور ہیں۔

جب ہر تاریک بادل کے پیچھے چمکتا ہوا سورج موجود ہے تو یہ شب دیجور کی سی سیاہی کب تک؟

اور یہ فضاؤں میں معلق درد میں ڈوبی ہوئی پکار؟...... جیسے رباب کے تار ٹوٹ کر اس نغموں کو جھنجھنا دیتے ہیں۔

افق کی گہرائیوں سے سپیدہ سحر نمودار ہوگیا۔ پیام حیات تو لانے والا سپیدہ!

اب ابر آلود آسمان ظلمت کے بادلوں سے چھٹکارا پائے گا۔ غلامی کے خوفناک پنجے کی آہنی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی اور! اور!! حب وطن کا جذبہ ذوق آزادی تک بڑھ جائے گا۔

پہلی شعاع آفتاب نے کائنات کو اک نئے رنگ میں رنگ دیا۔ مرغان چمن نشیلے اور روح پرور گیت گا رہے ہیں۔ ہر شے تازہ دم ہے اور فرط مسرت سے گلنار۔ مقدس، معبود! یہ شعاع آزادی تو نہیں؟!!

یہ پہلی شعاع آفتاب!!!

*****

فلسفہ ناکامی

کسی مصیبت زدہ کی کہانی سے بڑھ کر کون سا قصہ دلگداز ہے۔ ماجرائے بلاکشاں! جس کا فقرہ فقرہ پُرتاثیر ہے اور ایک ایک جملہ افسردگیاں چھپائے ہوئے۔

لیکن یہ اس مسافر کی حالت سے زیادہ اندوہ گین نہیں جو دشت وصحرا کے سفر سے تھک کر چور چور ہو چکا ہو اور نوکیلے کانٹوں سے آبلہ پا منزل مقصود کے سامنے پہنچ چکا ہو لیکن انچ بھر بھی آگے بڑھنے کے ناقابل! نگاہ یاس سے تکتا رہے لیکن نہ اتنی ہمت رہی ہو اور نہ اس قدر سکت۔

اللہ! کیسا ناکام ہے وہ بدنصیب! جو وطن میں بھی مسافر ہو کر رہ جائے۔ جس منزل کے حصول کے لئے نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات۔ اس کے سامنے ہو لیکن پھر بھی اس سے دور۔

اس انسان سے زیادہ دل شکستہ کون ہو گا جس نے اپنی آرزوؤں کے غنچے کو خون سے سینچا ہو۔ اس کے بڑھنے کا ایک ایک لمحہ گن رہا ہو۔ لیکن ہوا کا ایک ہی جھونکا اسے گرا دے۔ ٹہنی سے الگ کر دے اور اس کی پنکھڑیوں کو منتشر۔

منزل مقصود کی قدر اس سے پوچھو! جس کی ابھرتی ہوئی آرزو دفن ہو کر رہ گئی ہو اور دنیائے امید ملیا میٹ۔

یا پھر وہ دم واپسیں مسافر! جو حیات کی ہر بازی میں ہارتا آیا ہو جس کی تقدیر کا پانسہ ہر بار سمت مخالف میں گرتا رہا ہو لیکن اب جبکہ باب قبول کے وا ہونے کا وقت ہے اور کشاکش حیات سے چھٹنے کا لمحہ! تو فرشتہ موت بھی اپنی آمد آمد کا اعلان کر رہا ہے۔

اس غریب کے ولولے دل ہی میں رہ جائیں گے منزل مقصود پر پہنچ کر بھی کھو دینے کا صدمہ کیا کم ہے اور وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

*****

فلسفہ انتظار

دل گرفتہ بادلو! تم اس قدر بے قرار کیوں ہو رہے ہو۔ آہستہ آہستہ خرامی کی جگہ تیز روی نے لے لی اور شوخیوں پر حسرتیں چھا رہی ہیں۔ گردش گردوں باعث انتشار ہے یا نیلگوں گہرائیوں میں کوئی چیز کھو گئی ہے۔

یہ موسم سرما کے سمندر کی تیزی اور فاختہ جیسی سبک رفتاری کیوں؟

دن بھر کے رفیق آفتاب کی فرقت تو بیتاب نہیں کر رہی یا اسے لحد مغرب میں اترتا دیکھ کر یوں ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ آفتاب کے ساتھ ساتھ تمہاری زندہ دلی کیوں دفن ہو کر رہ گئی؟

بیقرار بادلو! نظم کائنات تو یہ ہے کہ جرعات تلخ سے لبریز جام کو لبوں تک لاؤ لیکن ہمت و بہادری کے ساتھ۔ عناصر قدرت کی تیکھی چتون کا جوانمردی سے مقابلہ کرو اور اپنی ہستی کو اس کی خوشنودی کے لئے مٹا دو۔ جلا دو اور کائنات کی وسعتوں میں خاکستر۔

ننھے ننھے حسین تارے تمام رات جگمگاتے ہیں بھٹکتے ہوئے مسافروں کے رہنما بن کر اور عروس شب کی ردائے عنبریں کی آرائش۔

لیکن جب وہ وقت آتا ہے جس کے انتظار میں ان کی پلک تک نہ جھپکتی تھی یعنی صبح رنگین سے لطف اندوزی کا تو پہلی شعاع آفتاب ہی احکام روپوشی صادر کر دیتی ہے۔ الہڑ اور شوریدہ موجیں اک عالم بیقراری میں بڑھتی ہیں۔ ساحل سمندر سے ملنے کو تمام مصائب پھاندتی آتی ہیں۔ اللہ! اللہ!! بے نیازی ساحل!!!! انہیں سر ٹکراتے دیکھ کر بھی متاثر نہیں ہوتا۔ انہیں پاش پاش ہوتے دیکھ کر ویسا ہی سنگدل ہے بے پروا۔

الم رسیدہ بادلو! کائنات کا ہر نیا ورق ہی نمود انقلاب ہے ورنہ لفظ "کن" کی تفسیر ہی کیونکر ثابت ہو۔ نغمہ حیات کی اضطراری لئے تو ہر وقت فضاؤں میں منتشر رہتی ہے خواہ مد بھری جھنجھناہٹ

ہویا نوحہ پر الم۔

لیکن جس طرح ہر تاریکی کے بعد رخشانی یقینی ہے اسی طرح کے بعد سکھ کا بھی وقت آتا ہے۔

یہ کرب و بے چینی! آخر کبھی تو ختم ہی ہوگی پھر وہی رفاقت رفیق ہوگی اور وہی دلچسپیاں۔

دامن افق سے مہر عالم تاب آخر تو جھانکے گا ہی۔ دہر کو حیات بخشنے کے لئے۔

اس وقت نیم جان بادلو! تمہاری کھوئی ہوئی طاقت بھی عود کر آئے گی۔ جس طرح تشنہ زمین کو قطرات بارش از سر نو تازگی عطا کرتے ہیں۔

شب بھر ماہ عالم تاب گھلتا ہے تو دہر کو روشنی نصیب ہوتی ہے اگر شمع نہ جلے تو پروانے کہاں سے آئیں؟ ہر شے کا کچھ آغاز ہی ہوتا ہے تو انجام پر بھی نگاہ کی جاتی ہے۔

تمہاری یہ وارفتگی ہی دلیل حیات ہے اڑتی ہوئی ریت کی طرح پریشانی ہی طالب کو مطلوب سے ملا دیتی ہے بھولی ہوئی منزل راہی کو تب ہی یاد آتی ہے جب نئی نئی دلچسپیوں میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی۔

آشفتہ نو بادلو! اگر شب کے بعد سحر آسکتی ہے تو طلوع آفتاب بھی یقینی ہے اور نمود کائنات کے لئے ضروری اس لئے اس قدر بیقراری بیکار ہے کہ دامن افق کو بھی سرخی خون قلب سے لالہ زار بنا دیا جائے۔

*****

فلسفہ حیات

رات کی ساعتیں شعلہ بدامن تھیں۔ فضا پر ہلکی ہلکی لرزش طاری تھی جیسے غیر مرئی روحیں کنج کنج کی سیر کرتی پھر رہی ہوں۔

اس پُر سکوت وقت میں محفل انجم گرم تھی۔ دھیمی دھیمی سرگوشیاں ہو رہی تھیں جو بڑھتے بڑھتے شوخ قہقہوں میں تبدیل ہو جاتیں۔

ایکا ایکی ایک ننھے سے شہاب ثاقب نے اپنی جگہ سے حرکت کی گویا کوئی نئی تحریک پیش کرنے لگا ہو۔

لیکن دوسرے ہی لمحے اپنی کپکپاتی ہوئی دنیا سے نیچے کی طرف گرا اور فضاؤں کو چیرتا ہوا غائب از نظر ہو گیا جیسے اندھیرے کے سینے پر نشتر چل پڑا ہو۔ اب اس کی ضوفشانی مفقود تھی اور جملہ تابانی نہاں۔

جہان فانی میں ہماری مثال بھی شہاب ثاقب سے کم نہیں۔ آسمان حیات پر ہستی کا نور جگمگاتا رہتا ہے بڑھتی ہوئی شہرت اسے تاباں کر دیتی ہے اور معصومیت حد امکان تک درخشاں۔

لیکن جب فرشتہ موت کا بلاوا آتا ہے تو اس لطیف نور کو خیرباد کہنا پڑتا ہے اور جملہ دلچسپیوں کو الوداع۔

ہستی قبر کی گہرائیوں میں پنہاں ہو جاتی ہے جیسے کوئی ستارہ آسمان سے ٹوٹے اور زمین پر پہنچتا پہنچتا فضا میں گھل کر رہ جائے...... اس کے باوجود لوگ زندگی کو اس قدر اہم سمجھتے ہیں اور قدرت کا سب سے بڑا کارنامہ۔

*****

حکایاتِ خلیل جبراؔن

خدا

زمانہ قدیم میں جب میرے ہونٹ پہلی بار گفتگو کے لئے جنبش میں آئے تو میں نے مقدس پہاڑ پر چڑھ کر خدا سے کہا۔

"اے میرے مالک! میں تیرا غلام ہوں تیری مشیت میرے لئے ایک قانون کا حکم رکھتی ہے اور میں تیرے احکام پر ہمیشہ کاربند رہوں گا۔"

لیکن خدا نے کوئی جواب نہ دیا اور ایک تند طوفان کی مانند تیزی سے گزر گیا۔ ایک ہزار سال کے بعد میں پھر مقدس پہاڑ پر چڑھ کر خدا سے ان الفاظ میں گویا ہوا۔

"اے میرے خالق میں تیری مخلوق ہوں تو نے مجھے ان سے پیدا کیا اور میں نے اپنا سب کچھ تجھ ہی سے حاصل کیا ہے اور میرا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے۔"

لیکن خدا نے کوئی جواب نہ دیا اور ہزار ہا تیز پرندوں کی طرح سن سے گزر گیا۔ ہزار سال کے بعد میں پھر مقدس پہاڑ پر چڑھا اور خدا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے باپ...... میں تیرا بیٹا ہوں تو نے مجھے شفقت اور محبت سے پیدا کیا اور میں محبت اور عبادت ہی سے تیری بادشاہت حاصل کروں گا......

لیکن خدا نے کوئی جواب نہ دیا اور ایک ایسی کہر کی مانند جو دور دراز پہاڑیوں پر چھائی رہتی ہے۔ استغنا سے گزر گیا۔

ایک ہزار سال بعد میں پھر مقدس پہاڑ پر چڑھا اور ایک بار پھر خدا سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خدا...... میرے مقصود اور میرے منتہائے تکمیل، میں تیرا ماضی ہوں اور تو میرا مستقبل، میں زمین پر تیری اصل ہوں۔ اور تو آسمان پر میرا پھول ...... دونوں سورج کے سامنے

نمو پاتے ہیں......"۔

تب خدا مجھ پر جھکا اور میرے کانوں میں آہستہ سے چند میٹھی باتیں کیں پھر جس طرح سمندر ایک ندی کو اپنی آغوش میں لپٹا لیتا ہے اسی طرح خدا نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اور جب میں وادیوں اور میدانوں میں اترا تو میں نے خدا کو وہاں بھی موجود پایا۔۔۔۔

*****

دوست

میرے دوست! میں وہ نہیں ہوں جو میں دکھائی دیتا ہوں۔ میرا ظاہر تو صرف ایک لباس ہے، ہاں فکروالم سے بنا ہوا ایک لباس جو مجھے تیرے سوالوں سے محفوظ رکھتا ہے اور تجھے میری بے اعتنائی کا گلہ مند نہیں ہونے دیتا۔

میرا من خاموشی کے پردوں میں مستور ہے اور ہمیشہ وہیں مستور رہے گا کوئی اسے دیکھ نہ پائے گا کوئی اس تک نہ پہنچ سکے گا۔

میرے دوست!

میں یہ نہیں کہتا۔ کہ جو کچھ میں کہوں تم اسے سچ مانو اور جو کچھ میں کروں اس کی تائید کرو کیونکہ میری باتیں میری نہیں۔ بلکہ تیرے ہی خیالات کی بازگشت ہیں اور میرے افعال تیری ہی امیدیں ہیں جو لباس مجاز میں ظاہر ہوتی ہیں

میرے دوست!

جب تو کہتا ہے ''ہوا کا رخ مشرق کو ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ'' ہاں ہوا کا رخ مشرق کو ہے کیونکہ میں تجھے یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اس وقت میرے دل میں ہوا کی بجائے سمندر کا خیال موجزن ہے۔ تو میرے متلاطم خیالات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ میں چاہتا ہوں کہ تو ان کی تہہ تک پہنچے کیونکہ میں سمندر پر اکیلا ہی رہنا چاہتا ہوں۔

میرے دوست!

جب تیرے لئے دن ہوتا ہے تو میرے لئے رات ہوتی ہے لیکن پھر بھی میں اس وقت دوپہر کی ان سنہری کرنوں کی باتیں کرتا ہوں جو پہاڑ پر رقص کرتی ہیں اور اس ارغوانی سائے کی باتیں کرتا ہوں جو وادی پر آہستہ آہستہ چھا جاتا ہے کیونکہ تو میری تاریکیوں کے گیت نہیں سن سکتا

اور نہ ستاروں کے پاس میرے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے دیکھ سکتا ہے اور میرا ابھی یہی دل چاہتا ہے کہ تو میرے گیتوں کو نہ سن سکے اور نہ میرے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے دیکھ سکے کیونکہ میں رات کی تنہائی میں اکیلا ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست!

جب تو اپنی بہشت کی طرف پرواز کرتا ہے تو میں اپنے دوزخ کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہوں۔ اس وقت بھی تو مجھے ایک ناقابل عبور خلیج کے پار سے پکارتا ہے میرے ہمدم! میرے رفیق! تو میں تجھے میرے رفیق میرے ہمدم کہہ کر جواب دیتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تو میرے دوزخ کو دیکھے، کیونکہ اس کے شعلے تیرے بینائی کو سلب کر دیں گے اور اس کا دھواں تیری سانس کو روک دے گا۔

مجھے اپنے دوزخ سے اتنی محبت ہے کہ میں نہیں چاہتا تو وہاں آئے میں اپنے دوزخ میں اکیلا ہی زندگی بسر کرنا پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست!

تجھے صداقت، حسن اور راست بازی سے محبت ہے اور میں بھی تیری خاطر یہی کہتا ہوں کہ ان چیزوں سے محبت کرنا بجا اور مستحسن ہے لیکن میں دل میں تیری اس محبت پر ہنستا ہوں اس کے باوجود میں یہ نہیں چاہتا کہ تو میری ہنسی کو دیکھے، کیونکہ میں ہنسنے کے لئے بھی علیحدگی پسند کرتا ہوں۔

میرے دوست!

تو نیک، محتاط اور جہاندیدہ ہے میں جانتا ہوں کہ تو ہر بات میں یگانہ ہے میرے دوست!...... اس لئے میں بھی تجھ سے سوچ سمجھ کر باتیں کرتا ہوں۔ اس کے باوجود میں ایک دیوانہ ہوں، اور اپنی دیوانگی کو چھپائے رکھتا ہوں۔ کیونکہ میں اپنی دیوانگی سے علیحدہ رہنا پسند نہیں کرتا۔ میرے دوست!

تو فی الحقیقت میرا دوست نہیں ہے میرے دوست ...... لیکن میں تجھے یہ کیسے سمجھاؤں کہ میرا راستہ تیرے راستے سے مختلف ہے پھر بھی ہم دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اکٹھے چل رہے ہیں۔

*****

کاٹھ کا پتلا

ایک دن میں نے کھیتوں کے کاٹھ کے پتلے سے کہا...... تم اس کھیت میں کھڑے اکتا گئے ہو گے......

اس نے کہا...... "جانوروں کو ڈرانے کی لذت اس قدر عمیق اور دیرپا ہے کہ میں اس سے کبھی نہیں اکتاتا......"

میں نے ایک منٹ سوچ کر کہا...... "یہ سچ ہے کیونکہ میں نے بھی اس مسرت کا مزا چکھا ہے......"

اس نے کہا...... "ہاں وہی لوگ جن کے جسم میں گھاس پھونس بھری ہو اس لذت سے آشنا ہو سکتے ہیں......"

یہ سن کر میں وہاں سے چل دیا لیکن مجھے یہ خبر نہیں کہ اس نے میری تعریف کی یا میرا مضحکہ اڑایا۔

ایک برس گزر گیا اور اس مدت میں وہ کاٹھ کا پتلا ایک فلاسفر بن چکا تھا۔

اور جب میں دوبارہ اس کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ اس کے سر پر دو کووں نے گھونسلا بنا رکھا ہے۔

*****

دو عورتیں

میں جس گاؤں میں پیدا ہوا اس میں ایک عورت اور اس کی بیٹی رہتی تھی۔ یہ دونوں مرض کابوس میں مبتلا تھیں۔

ایک رات جب ساری دنیا پر خاموشی طاری تھی مجھے ماں اور بیٹی نیند کی حالت میں چلتی ہوئیں اپنے باغ میں ملیں جس پر کہر چھائی ہوئی تھی۔

ماں نے بیٹی سے کہا...... ہوں مجھے پتہ چل گیا میری دشمن تو ہے جس نے میری جوانی برباد کر دی، ہاں تو جس نے میری زندگی کے کھنڈرات پر اپنی زندگی کی عمارت تعمیر کی۔ اے کاش! میں تجھے ہلاک کر سکتی۔''

بیٹی نے کہا...... ''اے قابل نفرت اور خودغرض بڑھیا، تو جو میرے اور میری آزاد فطرت کے درمیان حائل ہے اور جو میری زندگی کو اپنی پژمردہ زندگی کا ہم رنگ بنانا چاہتی ہے۔''

اے کاش خدا تجھے موت نصیب کرے......

اس وقت ایک مرغ نے اذان دی اور دونوں عورتیں بیدار ہوئیں بڑھیا نے نہایت شفقت سے کہا...... ''کیا یہ تم ہو میری پیاری لختِ جگر......''

اور لڑکی نے بڑے پیارے سے جواب دیا...... ''ہاں امی جان......''

*****

عقلمند کتا

ایک دن ایک عقلمند کتے نے بلیوں کی ایک جماعت دیکھی۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا، کہ بلیاں اپنے آپ میں مست ہیں اور اس کی طرف متوجہ نہیں اس لئے وہ ان کی باتیں سننے کے لئے رک گیا۔ پھر ان میں سے ایک موٹی تازی اور سنجیدہ بلی اٹھی اور سب پر گہری نظر ڈال کر کہا۔

"بہنو۔ خدا سے دعا مانگو کیونکہ جب تم پورے یقین کے ساتھ بار بار دعا مانگو گی، تو آسمان سے سچ مچ چوہوں کی بارش ہوگی۔"

جب کتے نے یہ بات سنی تو وہ اپنے دل میں ہنسا اور ان سے منہ موڑ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

"اری اندھی اور بیوقوف بلیو! کیا یہ کتابوں میں نہیں لکھا اور خود تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو یہ معلوم نہیں، کہ جب خدا کی عبادت کرنے اور دعائیں مانگنے سے بارش ہوتی ہے تو آسمان سے چوہوں کی بجائے ہڈیاں برستی ہیں......"

*****

لین دین

ایک شخص کے پاس اس قدر سوئیاں تھیں۔ کہ ان سے ایک وادی پُر ہو سکتی تھی۔

ایک دن مریم[1] اس کے پاس آئی اور کہا "بھائی میرے بیٹے کا لباس پھٹ گیا ہے قبل اس کے کہ وہ ہیکل میں جائے میں اس کا لباس مرمت کرنا چاہتی ہوں کیا تم مجھے ایک سوئی عنایت کر سکتے ہو......؟"

اس نے مریم کو سوئی نہ دی لیکن لین دین کے متعلق ایک عالمانہ لیکچر دے کر کہا کہ جب تمہارا بیٹا ہیکل کو جانے لگے تو اسے میرا یہ وعظ سنا دینا۔

---

1. مسیح کی والدہ

*****

آپ بیتی

تم پوچھتے ہو کہ میں پاگل کیسے بنا؟ یہ واقعہ یوں رونما ہوا۔ ایک دن جب کہ بہت سے دیوتا ابھی پیدا نہ ہوئے تھے میں گہری نیند سے بیدار ہوا اور دیکھا کہ میرے تمام نقاب، ہاں وہ سات نقاب چوری ہو گئے ہیں جو میں نے اپنی سات زندگیوں میں بنائے اور پہنے۔ میں لوگوں سے بھری ہوئی گلیوں میں بے نقاب ''چور چور، ملعون چور، پکارتا ہوا دوڑا۔ مردوں اور عورتوں نے مجھ پر قہقہے لگائے اور بعض میرے ڈر سے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

جب میں بازار میں پہنچا تو ایک نوجوان نے جو مکان کی چھت پر کھڑا تھا چلا کر کہا ''یہ دیوانہ ہے دیوانہ''

میں نے اسے دیکھنے کے لئے اوپر کی طرف نظریں اٹھائیں تو سورج نے پہلی بار میرے برہنہ چہرے کو چوما۔

میری روح سورج کی محبت سے تمتما اٹھی اور مجھے اپنے نقابوں کی کوئی ضرورت نہ رہی اور میں بے اختیار چلا اٹھا۔

''رحمت...... ہاں رحمت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے میرے نقاب چرائے۔''

اس طرح میں دیوانہ بن گیا۔

اسی دیوانہ پن میں مجھے آزادی اور سلامتی حاصل ہوئی!!

آزادی اس لئے کہ اب میں اکیلا ہوں۔

سلامتی اس لئے کہ دنیا مجھے نہیں سمجھتی کیونکہ جو لوگ ہمیں سمجھتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح ہمیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔

مگر مجھے اپنی سلامتی پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جیل خانہ میں بند ایک چور دوسرے چور سے محفوظ ہوتا ہے۔

*****

دیوانگی وفرزانگی

ایک دن ایک شخص مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور کہا
''میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔''
''فرمایئے......'' میں نے کہا
اس نے کہا ''ایک دیوانہ ایسی باتیں کیسے کر سکتا ہے؟''
''آپ کا مطلب؟''
''دیوانگی سے فرزانگی کا تعلق؟''
''دنیا میں کتنے فرزانے ہیں جو فرزانے نہیں اور کتنے دیوانے ہیں جو دیوانے نہیں......
''دیوانہ بہر حال دیوانہ ہے''
''بجا، لیکن سب دیوانے ایک جیسے نہیں ہوتے۔

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک

اس کے علاوہ پیر ہندی نے کہا ہے

کہہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفتہ سری کا

اور

زجاج گر کی مکاں شاعری و ملائی — ستم ہے خوار پھرے دشت دور میں دیوانہ
کسے خبر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں — کریں اگر اسے کوہ و کمر سے بیگانہ
ہجوم مدرسہ بھی سازگار ہے اس کو — کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے ویرانہ

پھر ساتھ ہی یہ خواہش بھی ظاہر کی ہے کہ

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرہ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر

اب فرمایئے آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟
وہ دیر تک ایک گہری سوچ میں پڑا رہا اور پھر چلا گیا۔

*****

پریم گیت

ایک دفعہ ایک شاعر نے محبت کا ایک گیت لکھا

بڑا ہی پیارا گیت!

اس نے اس گیت کے بہت سے نسخے تیار کرائے اور انہیں اپنے دوستوں اور اپنی جان پہچان والوں کو...... مردوں اور عورتوں کو بھجوایا اور اس نوخیز دوشیزہ کو بھی، جسے آج تک وہ صرف ایک ہی بار ملا تھا۔ جو اونچے پہاڑوں کے دوسری جانب رہتی تھی! اس کے کچھ دن بعد اس نے نوخیز دوشیزہ کا قاصد اس کا خط لے کر شاعر کے پاس آیا، خط میں اس نے لکھا تھا۔

''میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔ محبت کے اس گیت نے جو تم نے مجھے لکھ کر بھیجا۔ مجھے بے حد متاثر کیا ہے...... تم اب میرے یہاں آؤ ایک بار میرے ماں باپ سے ملو، اور پھر ہم یقیناً اپنی نسبت کی بات چیت پکی کر لینے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر ہی لیں گے!''

شاعر نے اس خط کا جواب اسے یوں لکھ بھیجا...... خاتون یہ تو صرف محبت کا ایک گیت تھا۔ شاعر کے دل سے نکلی ہوئی بات...... وہ گیت، جو مرد، عورت کے لئے گاتا ہے، اس کے جواب میں اس دوشیزہ نے لکھا۔

''مکار...... فریبی آج سے اپنی موت کے دن تک، جب تک بھی کہ میں زندہ ہوں، صرف تیری وجہ سے کسی شاعر کو منہ نہ لگاؤں گی...... میں شاعروں سے ہمیشہ ہی نفرت کرتی رہوں گی!''

*****

میلے میں

کسی دیہات سے ایک خوبصورت لڑکی ایک میلے میں آئی...... کہتے ہیں بڑی ہی حسین تھی وہ دوشیزہ!

اس کے چہرے پر سوسن اور گلاب کی سی تازگی تھی۔ بالوں میں ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری کرنوں کی جھلملاہٹ تھی۔

اور ہونٹوں پر طلوع صبح کی مسکراہٹ!

جیسے ہی میلے میں، یہ حسین اجنبی دوشیزہ دکھائی دی، جوانوں کی بھیڑ نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا...... ایک اس کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔ تو دوسرا اس کے اعزاز میں شراب کے خم لنڈھا رہا تھا۔ اور اس کے گلابی گال چومنے کی ہوس میں تو سبھی بے تاب ہو رہے تھے۔

آخر وہ بھی تو میلے ہی میں آئے ہوئے تھے نا

لیکن حسین دوشیزہ پریشان تھی گھبرا رہی تھی، جوانوں کی بھیڑ میں میں اس کا دم گھٹا جا رہا تھا، اسے ان سے وحشت ہو رہی تھی وہ انہیں کوسنے دے رہی تھی...... اور ایک کے تو اس نے تھپڑ بھی جڑ دیا تھا...... آخر وہ ان سے بھاگ کر دور چلی گئی!

"اف توبہ ہے، ناک میں دم کر دیا" اس شام گاؤں لوٹتے ہوئے، راستے میں وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔

"کس قدر ناشائستہ اور بدتمیز ہیں، یہ نوجوان...... ناقابل برداشت ہیں بابا یہ سب لوگ!

ایک سال گزر گیا۔ اور وہ حسین دوشیزہ سال بھر میلے اور نوجوانوں کی یاد میں ڈوبی رہی میلے اور نوجوانوں کے خیال میں کھوئی رہی۔ سال بعد وہ پھر چہرے پر سوسن اور گلاب کا سا نکھار بالوں میں ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری کرنوں کی جھلملاہٹ اور ہونٹوں پر طلوع صبح کی مسکراہٹ لئے

میلے میں آئی! لیکن اب جو نوجوان بھی اسے دیکھتا، منہ پھیر لیا...... سارا دن گزر گیا نہ کسی نے اسے بلایا نہ کسی نے اس سے بات کی...... وہ تنہا ہی میلے میں پھرتی رہی۔

اور اس بار رات گئے گاؤں لوٹتے ہوئے، وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔

''ہائے توبہ'' ناک میں دم ہے کس قدر بداخلاق اور بداطوار ہیں یہ نوجوان...... ناقابل برداشت ہیں بابا یہ سب لوگ!''

*****

ازدواجی زندگیاں

شواکس شہر میں ایک شہزادہ رہتا تھا...... سبھی اس سے پیار کرتے تھے۔ مرد، عورتیں اور بچے، یہاں تک کہ چراگاہوں سے چوپائے تک اس کے سلام کو آتے تھے!

لیکن عوام کا خیال یہ تھا کہ اس کی بیگم، بادشاہ زادی کو اس سے بالکل پیار نہیں...... شاید وہ اس سے نفرت کرتی تھی!

ایک دن پڑوس کی کسی ریاست سے ایک شہزادی شواکس کی شہزادی سے ملنے آئی وہ دیر تک ایک ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔

باتوں ہی باتوں میں بات ان کے شہزادوں پر جا پہنچی تو شواکس کی شہزادی جذباتی ہیجان میں آ کر بولی۔

''مجھے تو تمہاری ازدواجی زندگی پر رشک آتا ہے۔ تمہاری! تمہارے شہزادے کے ساتھ خوشی پر، حالانکہ میرے بیاہ کو بھی کافی مدت بیت چکی ہے...... مگر سچ پوچھو تو مجھے اپنے خاوند سے نفرت ہے وہ کوئی صرف میرا تھوڑے ہی ہے مجھ ایسی بدنصیب عورت شاید ہی دنیا میں کوئی ہو!''

تب مہمان شہزادی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے پوچھتی ہو تو حقیقتاً صرف تم ہی اپنے خاوند سے سچی محبت کرتی ہو کیونکہ تمہارے سینے میں ابھی تشنہ آرزوئیں موجود ہیں...... وہ آرزوئیں جن سے عورت کا نکھار قائم رہتا ہے بالکل اس طرح جس طرح پھولوں سے چمن کی بہار...... لیکن قابل رحم ہے حالت میری اور میرے خاوند کی کہ ہم صبر شکر کر کے ایک دوسرے کو برداشت کئے جا رہے ہیں۔ صرف نباہ کئے جا رہے ہیں اور اس زندگی پر تمہیں اور دوسرے لوگوں کو غلط فہمی ہے قابل رشک خوشی اور مسرت کی!''

*****

نشاطِ نو

کل رات میں نے ایک نئی قسم کی مسرت دریافت کی اور جب میں نے اس کا پہلی بار مزا چکھا۔

تو نیکی اور بدی کے فرشتے میرے گھر کی طرف دوڑے وہ میرے مکان کے دروازے پر ایک دوسرے سے ملے اور میری نئی مسرت کے متعلق جھگڑنا شروع کردیا۔

''ایک نے کہا یہ گناہ ہے۔''

دوسرے نے کہا ''نہیں، یہ نیکی ہے۔''

*****

دوسری زبان

اپنی پیدائش کے تین دن بعد جب میں ریشمی پنگوڑے میں پڑا اپنی اردگرد کی دنیا کو حیرت سے دیکھ رہا تھا تو میری والدہ نے انا سے پوچھا۔ ''کیسا ہے میرا لال؟''

انا نے جواب دیا۔ ''بیگم بچہ بہت اچھا ہے میں نے اسے تین بار دودھ پلایا ہے میں نے آج تک ایسا بچہ نہیں دیکھا جو اتنا خوش ہو۔''

میں بے قرار ہو کر چلا اٹھا۔ ''ماں یہ سچ نہیں...... کیونکہ میرا بچھونا سخت ہے اور میں نے جو دودھ پیا ہے وہ میرے منہ کو کڑوا لگا ہے اور چھاتی کی بدبو میرے لئے ایک عذاب علیم ہے میں بہت تکلیف میں ہوں ماں......''

لیکن میری بات نہ میری ماں سمجھ سکی نہ میری انا۔ کیونکہ میں جس زبان میں بول رہا تھا وہ اس دنیا کی زبان نہ تھی بلکہ اس دنیا کی زبان تھی جہاں سے میں آیا تھا۔

اکیسویں دن ہمارے ہاں ایک کاہن آیا اور اس نے میری ماں سے کہا...... ''تمہیں خوش ہونا چاہئے کیونکہ تمہارا بیٹا پیدائشی مومن ہے......''

مجھے حیرت ہوئی، اور میں نے کاہن سے کہا۔ ''پھر تمہاری متوفی والدہ کو افسوس ہونا چاہئے کیونکہ تم ایک پیدائشی مومن نہ تھے۔''

لیکن کاہن بھی میری زبان نہ سمجھ سکا۔

سات مہینوں کے بعد ایک دن مجھے ایک منجم نے دیکھا اور میری ماں سے کہا۔

''تمہارا بیٹا بہت بڑا سیاست دان اور جلیل القدر رہنما ہوگا۔''

میں چیخ اٹھا کہ ''یہ غلط پیش گوئی ہے ماں کیونکہ میں ایک مغنی کے سوا اور کچھ نہ بنوں گا......''

لیکن اس عمر میں بھی میری زبان کسی کی سمجھ میں نہ آئی اور مجھے سخت حیرت ہوئی۔

اوراب میری عمر تینتیس سال کی ہے اور میری ماں، میری انا اور کاہن سب مر چکے ہیں (خدا
یں جنت نصیب کرے) لیکن وہ نجومی ابھی تک زندہ ہے اور کل مجھے معبد کے دروازے کے
ریب ملا جب ہم ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے تو اس نے کہا۔

''میں شروع ہی سے جانتا تھا کہ تم ایک مغنی بنو گے اور میں نے تمہارے بچپن میں بھی یہی
ش گوئی کی تھی۔''

میں نے اس کی بات پر یقین کر لیا، کیونکہ اب میں خود اپنی پہلی زبان بھول چکا ہوں۔

* * * * *

انار کی کلی

ایک دفعہ جب میں انار کی کلی میں رہتا تھا تو میں نے ایک بیج کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ ''کسی دن میں ایک درخت بن جاؤں گا۔ ہوا میری ٹہنیوں میں گیت گائے گی۔ سورج کی کرنیں میرے پتوں پر رقص کریں گی اور میں تمام موسموں میں خوبصورت اور طاقت ور رہوں۔''

پھر دوسرا بیج بولا ''جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے بھی یہی خیالات تھے لیکن اب جبکہ میں تمام چیزوں کا صحیح اندازہ کرسکتا ہوں، میں محسوس کرتا ہوں کہ میری تمام توقعات غلط ثابت ہوئی ہیں۔''

تیسرا بیج بولا...... ''ہم میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے ہمارا مستقبل شاندار معلوم ہو......''

چوتھے نے کہا۔ ''لیکن ایک شاندار مستقبل کے بغیر ہماری زندگی محض ایک سوانگ ہوگی۔''

پانچویں نے کہا۔ جب ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم کیا ہیں، تو پھر اس بات پر بحث کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم مستقبل میں کیا بنیں گے۔

چھٹے نے جواب دیا ''ہم جو کچھ ہیں وہی کچھ ہمیشہ رہیں گے۔''

ساتویں نے کہا۔ '' مجھے آنے والے واقعات کا پورا علم ہے لیکن میں انہیں الفاظ کے ذریعہ بیان کرنے سے قاصر ہوں......''

اس کے بعد آٹھواں بولا۔ پھر نواں اور پھر دسواں۔ حتیٰ کہ تمام بیج اس بحث میں کود پڑے مجھے ان لاتعداد آوازوں میں کسی کی بات بھلی معلوم نہ ہوئی اس لئے میں نے اسی دن ایک شگوفے کے دل میں جگہ بنالی جس میں بیج بھی تھوڑے ہیں اور زیادہ بات چیت بھی نہیں کرتے۔

*****

دو پنجرے

میرے باپ کے باغ میں دو پنجرے ہیں۔

ایک میں وہ شیر قید ہے جسے میرے باپ کے غلام نینوا کے صحرا سے پکڑ کر لائے تھے۔

دوسرے میں ایک چڑیا ہے جو گانے سے قاصر ہے۔

چڑیا ہر روز صبح کے وقت شیر سے کہتی ہے۔

"بھائی قیدی! صبح بخیر!!!

*****

تین چیونٹیاں

ایک آدمی دھوپ میں پڑا سو رہا تھا کہ تین چیونٹیاں اس کی ناک پر اکٹھی ہوئیں، اور اپنے اپنے قبیلے کے دستور کے مطابق سلام کرنے کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے لگیں۔

پہلی چیونٹی نے کہا "میں نے ان پہاڑوں اور وادیوں سے زیادہ بنجر جگہ اور کوئی نہیں دیکھی میں نے یہاں سارا دن خوراک کی تلاش کی ہے لیکن مجھے ایک دانہ بھی نہیں ملا۔"

دوسری چیونٹی نے کہا "مجھے بھی کچھ نہیں ملا۔ گو میں نے تمام گوشے اور کونے دیکھ مارے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ وہی نرم اور متحرک خطہ ہے، جس کے متعلق ہماری قوم کے دانا کہتے ہیں کہ وہاں کچھ نہیں پیدا ہوتا۔"

اس کے بعد تیسری چیونٹی نے اپنا سر اٹھایا اور کہا "میری سہیلیوں! ہم اس وقت اس عظیم الجثہ چیونٹیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور زور سے ہنسیں، عین اس وقت آدمی نے حرکت کی اور اس نے سوتے میں اپنے ہاتھ سے ناک کو کھجلایا اور تینوں چیونٹیاں پس کر رہ گئیں۔

*****

قبر کن

ایک دفعہ جب میں اپنے اجزائے نفس میں سے ایک دفن کر رہا تھا تو قبر کن میرے پاس آیا اور کہا...... ''جتنے بھی لوگ یہاں دفن کرنے کے لئے آتے ہیں ان میں سے صرف تمہیں پسند کرتا ہوں۔''

میں نے کہا...... ''مجھے یہ سن کر بہت مسرت ہوئی، لیکن آخر تم مجھے کیوں پسند کرتے ہو......''

اس نے جواب دیا۔ ''دوسرے لوگ روتے ہوئے آتے ہیں اور روتے ہوئے چلے جاتے ہیں مگر تم ہنستے ہوئے آتے ہو اور ہنستے ہوئے چلے جاتے ہو۔''

*****

آنکھ

ایک دن آنکھ نے کہا..... "میں ان وادیوں کے پرے نیلگوں دھند سے ڈھکے ہوئے پہاڑ کو دیکھ رہی ہوں۔ کیا وہ خوبصورت نہیں ....."

کان نے سنا اور تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد کہا..... "لیکن پہاڑ ہے کہاں مجھے تو اس کی آواز سنائی نہیں دیتی۔"

پھر ہاتھ نے کہا۔ میں اسے چھونے اور محسوس کرنے کی بیکار کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے کوئی پہاڑ نہیں ملتا۔"

ناک نے کہا "یہاں کوئی پہاڑ نہیں کیونکہ میں اسے سونگھ نہیں سکتی۔ آنکھ نے اپنی توجہ دوسری طرف کر لی اور پھر تینوں آنکھوں کے حیرت انگیز تصورات پر بحث کرنے لگے۔

انہوں نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ کو ضرور کچھ جنون ہو گیا ہے۔"

*****

جب میرا غم پیدا ہوا

جب میرا غم پیدا ہوا تو میں نے اسے بڑی محبت سے پالا اور اس کی بڑی احتیاط سے نگہداشت کی۔

میرا غم دوسری چیزوں کی طرح نشو ونما پا کر توانا، خوبصورت اور بڑی بڑی عشرتوں سے معمور ہونے لگا۔

میں اور میرا غم ایک دوسرے سے پیار کرتے تھے اور اپنے گرد وپیش کی دنیا سے محبت کرتے تھے کیونکہ غم بہت رحم دل تھا اور میرا دل بھی بہت نرم خو تھا۔

اور جب میں اور میرا غم باتیں کرتے تو ہمارے دن ہوا کے پروں پر اڑے جاتے اور ہماری راتیں خوابوں سے بھرپور ہو جاتیں۔ کیونکہ میرے غم کی زبان فصیح تھی......اور میری زبان میرے غم کی ترجمانی میں بہت فصیح تھی اور جب میں اور میرا غم گاتے۔ تو ہمارے پڑوسی کھڑکیوں میں بیٹھ کر سنتے۔ کیونکہ ہمارے گیت سمندر کی طرح گہرے اور ہمارے نغمے عجیب وغریب یادداشتوں سے معمور ہوتے تھے۔

اور جب میں اور میرا غم اکٹھے چلتے تو لوگ ہمیں لطف وکرم کی نظر سے دیکھتے۔ اور آہستہ آہستہ ہمارے متعلق میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔

لیکن بعض لوگ ایسے بھی تھے جو ہم پر رشک کرتے تھے کیونکہ غم ایک گرانقدر چیز تھا......اور میں اس پر فخر کرتا تھا لیکن میرا غم فانی چیزوں کی طرح مر گیا اور میں اس کا ماتم کرنے کے لئے تنہا رہ گیا۔

اب جب میں بولتا ہوں، تو میرے الفاظ میرے کانوں پر گراں گزرتے ہیں۔

اور جب میں گیت گاتا ہوں تو میرے پڑوسی اس پر کان نہیں دھرتے۔

اور جب میں کوچوں میں سرگرداں پھرتا ہوں تو کوئی میری طرف نہیں دیکھتا۔

اب مجھے صرف نیند کے عالم میں یہ رحم سے بھری ہوئی آوازیں سنائی دیتی ہیں کہ

"دیکھو یہ وہ شخص ہے جس کا غم فوت ہو چکا ہے۔"

*****

جب میری مسرت پیدا ہوئی

جب میری مسرت پیدا ہوئی تو میں نے اسے اپنی گود مین اٹھا لیا۔ اور چھت پر کھڑا ہو کر پکارنے لگا آؤ...... میرے پڑوسیو آؤ...... اور دیکھو آج میرے گھر مسرت پیدا ہوئی ہے...... آؤ اور اس مسرت انگیز چیز کو دیکھو، جو سورج کی روشنی میں ہنس رہی ہے۔"

لیکن جب میرا کوئی پڑوسی بھی میری مسرت کو دیکھنے کے لئے نہ آیا تو مجھے بے حد حیرت ہوئی۔ سات دنوں تک میں ہر روز اپنی مسرت کا اظہار چھت پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کرتا رہا لیکن کسی نے میری آواز نہ سنی۔

اس طرح میں اور میری مسرت اکیلے رہ گئے نہ کسی نے اس کی تلاش کی اور نہ اسے دیکھنے کے لئے آیا۔ اس وجہ سے میری مسرت پژمردہ اور نڈھال ہو گئی۔ کیونکہ میرے سوا نہ کسی اور دل نے اس کی دلجوئی کی اور نہ کسی دوسرے کے ہونٹوں نے اس کے ہونٹوں کو چوما۔

آخر کار میری مسرت تنہائی کے باعث فنا ہو گئی۔

اور اب میں اپنے مرحوم غم کی یاد میں اپنی گزری ہوئی مسرت کو یاد کرتا ہوں لیکن یہ یاد ایک خزاں رسیدہ پتے کی طرح ہے جو ہوا میں زیر لب کچھ کہتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاتا ہے۔

*****

کامل دنیا

اے گمشدہ روحوں کے خدا! تو جو خود دیوتاؤں میں کھویا ہوا ہے۔ میری آواز سن!

ہاں ہم دیوانی اور آوارہ روحوں کی نگرانی کرنے والی ہستی! میرے الفاظ پر توجہ فرما......!

میں ایک کامل قوم میں رہتا ہوں...... میں جو ایک غیر مکمل ہستی ہوں...... میں انسانیت کے پریشان اور منتشر عناصر کا مجموعہ ہوں۔

میں ایک کامل دنیا میں رہتا ہوں۔ جس کے قوانین اور ضوابط مکمل ہیں اور جن کے تصورات ضبط تحریر میں آسکتے ہیں۔

اے خدا ان کی نیکیاں گنی ہوئی اور گناہ تلے ہوئے ہیں۔

ان کے علاوہ لاتعداد ایسی چیزیں جو شام کے دھندلکے میں گناہ اور ثواب سے ماورا ہیں شمار اور درج کی جاتی ہیں۔

یہاں دن رات چال چلن کے موسمی تغیرات میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور انہیں خوب جانچ تول کر کڑے اصولوں کی زنجیر میں جکڑا جاتا ہے۔

کھانا...... پینا...... سونا اور اپنی عریانی کی پردہ پوشی کرنا...... کام کرنا...... کھیلنا...... گانا...... ناچنا اور گھڑیال بجتے ہی چپ چاپ سو جانا۔

صرف ایک مقررہ شدت کے ساتھ غور و فکر کرنا...... افق کے اس پار ایک خاص ستارہ کے طلوع ہونے پر غور و فکر کا سلسلہ بند کر دینا۔

ایک زیر لب تبسم کے ساتھ اپنے پڑوسی کو لوٹ لینا۔

ہاتھ کو شان سے ہلا کر خیرات کرنا۔

کسی کی جان بوجھ کر تعریف کرنا۔

دوسروں پر انتہائی چالاکی سے الزام عائد کرنا۔

کسی شخص کی زندگی کو ایک ہی لفظ میں تباہ کر دینا......اور جب دن بھر کا کام تمام ہو جائے تو نہایت عیاری سے ہاتھ دھو لینا۔

ایک مضبوط ارادی کے ساتھ محبت کرنا......ہوشیاری سے کسی کو خوش کرنا......بن ٹھن کر خدا کی عبادت کرنا......بڑے تپاک سے شیطان کے ساتھ اتحاد کرنا......اور پھر سب کچھ بھول جانا۔

سوچ سمجھ کر کسی چیز کی تمنا کرنا۔

خندہ پیشانی سے ملول ہونا اور پیالہ خالی کر دینا......تاکہ اسے کل پھر بھر دیا جائے۔

اے خدا! یہ تمام چیزیں پہلے ہی سے سوچی گئی ہیں...... بڑی احتیاط کے ساتھ پیدا کی جاتی ہیں اور ان کی بڑے اہتمام کے ساتھ نگہداشت کی جاتی ہے۔

حکومت کے قوانین کی آڑ میں ان کا تحفظ کیا جاتا ہے۔مختلف ذرائع سے پاسبانی کی جاتی ہے اور آخر کار طے شدہ طریقے کے مطابق انہیں ذبح کر کے دفن کر دیا جاتا ہے اور ان کی خاموش قبروں پر بھی جو انسانی دلوں میں جاگزیں ہوتی ہیں نشان لگا دیئے جاتے ہیں۔

یہ ہے ہماری کائنات، ہماری متمدن دنیا، جو عجائبات سے بھری ہوئی ہے۔

یہ ہے قدر مطلق کے باغ کا پختہ ثمر اور اس کی بہترین تمنا! مگر اے خدا میں یہاں کیوں ہوں؟

میں جو ناکام خواہشوں کا ناقص بیج ہوں۔

ایک آوارہ طوفان ہوں۔

ایک ٹوٹے پھوٹے سیارے کا ٹکڑا جو ہواؤں میں پریشان ہے اور جو نہ مشرق کو تلاش کرتا ہے نہ مغرب کو۔

اے گمشدہ روحوں کے خدا! تو جو دیوتاؤں کے ہجوم میں گم ہے، بتا میں یہاں کیوں ہوں؟

* * * * *

آوارہ گرد

وہ مجھے ایک چوراہے پر مل گیا...... ایک اجنبی جس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا، تن پر ایک چادر اور جس کا چہرہ بے پناہ درد و کرب کا آئینہ!

ہماری اس ملاقات میں گرم جوشی تھی اور خلوص تھا۔ میں نے اس سے کہا

''میرے گھر تشریف لائیے اور میری میزبانی قبول فرمائیے!''...... اور وہ آیا!

میری بیوی اور بچے ہمیں دراوزے پر ہی مل گئے وہ اس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اس کی آمد پر باغ باغ ہو گئے!

پھر ہم سب ایک ساتھ کھانے پر بیٹھے، ہم بہت خوش تھے اور وہ بہت مسرور تھا لیکن خاموش! اور اس کی پُراسرار خاموشی ہماری فہم سے بالاتر تھی۔

کھانے کے بعد ہم آگ کے پاس جا بیٹھے...... اور میں اس سے اس کی سیاحتوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا۔

اس رات اور دوسرے دن، اس نے ہمیں بہت سی کہانیاں سنائیں...... لیکن جو کچھ کہ میں اب لکھنے جا رہا ہوں۔ یہ اس کے تلخی ایام کی پیداوار ہے۔ اگرچہ وہ خود بہت ہی مشفق تھا اور رحم دل بھی...... مگر یہ کہانیاں اور یہ فسانے ایک غبار ہیں اس کے صبر آزما اور کٹھن راستوں کا!

تین دن بعد جب وہ ہم سے رخصت ہوا تو ہم کہہ نہ سکتے تھے کہ ہم نے کسی مہمان کو خیرباد کہا ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہم میں سے کوئی باہر باغیچہ میں ہے اور اسے ابھی اندر آنا ہے!

*****

سات عناصر

رات کی گہری خاموشی میں جب میں نیم بیداری کے عالم میں پڑا تھا میرے سات عناصر ایک دوسرے کے ساتھ زیرِلب یوں گفتگو کرنے لگے۔

پہلا عنصر

میں نے اس دیوانے کے ساتھ کتنے ہی سال بسر کئے ہیں اس عرصے میں میرا کام اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ میں دن کو اس کا درد تازہ کروں اور رات کو اس کا دکھ نئے سرے سے پیدا کروں یہ روز کی مصیبت مجھ سے سہی نہیں جاتی اور اب میں بغاوت کرنے پر آمادہ ہوں......

دوسرا عنصر

بھائی تمہاری حالت مجھ سے بہتر ہے میں اس دیوانے کی مسرتوں میں شریک ہوں، اس کی ہنسی کے ساتھ ہنستا ہوں، اس کی خوش بختی کے راگ الاپتا ہوں، اور مجھے اس کے رقصاں خیالات کے ساتھ بلا کی سرعت سے ناچنا پڑتا ہے تمہاری بجائے میں اپنی دکھ بھری زندگی کے خلاف بغاوت کروں گا۔

تیسرا عنصر

"اور مجھ کشتہ محبت کے متعلق تمہارا کیا ارشاد ہے، جو ہیجانی جذبات اور عجیب و غریب خواہشات کا ایک بھڑکتا ہوا شعلہ ہے۔ نہیں یہ مجھ برگشتہ محبت کا کام ہے کہ میں اس دیوانے کے خلاف بغاوت کروں......"

چوتھا عنصر

میں تم سب سے زیادہ تکلیف میں ہوں کیونکہ میرے ذمہ نفرت اور حقارت کے تباہ کن

جذبات کے سوا اور کچھ نہیں، میں وہ برگشتہ قسمت طوفانی عنصر ہوں، جس کی پیدائش دوزخ کے تاریک غاروں میں ہوئی ہے اس دیوانے کی غلامی کے خلاف بغاوت کروں گا......"

پانچواں عنصر

نہیں بغاوت کرنے والا عنصر میں ہوں۔ جو غور و فکر کا خوگر ہے اور ہر وقت سوچ بچار میں گم رہتا ہے مجھے اپنی بھوک اور پیاس دور کرنے کے لئے نئی نئی چیزوں کی دھن لگی رہتی ہے اور میں ہمیشہ ان موہوم اور نادیدہ اشیاء کی تلاش میں منہمک رہتا ہوں۔ جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں، ہاں یہ بغاوت کرنے والا عنصر میں ہوں تو نہیں......"

چھٹا عنصر

میں عمل کا عنصر......ایک قابل رحم مزدور جو تھکے ہوئے ہاتھوں اور امیدوں سے بھری ہوئی آنکھوں سے اپنے دنوں کو بیمیائی تصورات میں تبدیل کرتا ہوں۔ اور غیر محسوس اشیاء کو نئے اور دائمی پیکر عطا کرتا ہوں، یہ میں ہوں، جو اس دیوانے کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں تم سے سبقت لے جاؤں گا۔

ساتواں عنصر

کتنی عجیب بات ہے کہ تم اس دیوانے کے خلاف صرف اس لئے بغاوت کر رہے ہو۔ کہ تمہارا کام مقرر ہو چکا ہے کاش تمہاری طرح میرا کام بھی مقرر ہوتا۔ لیکن افسوس مجھے کوئی کام سپرد نہیں کیا گیا۔ میں ایک بے کار عنصر ہوں جب تم سب زندگی کی تخلیق میں مصروف ہوتے ہو۔ تو میں ایک بے نام و نشان جگہ میں خاموش بیٹھا رہتا ہوں۔ بتاؤ بغاوت مجھے کرنی چاہئے یا تمہیں۔؟"

جب ساتویں عنصر نے یہ تقریر کی تو باقی چھ عنصروں نے اس کی طرف رحم سے بھری ہوئی نظر کے ساتھ دیکھا۔ مگر منہ سے کچھ نہ کہا اور جوں جوں رات تاریک ہوتی گئی تمام عناصر ایک ایک کر کے تسلیم و اطاعت کی لذت سے سرشار ہو کر محو خواب ہو گئے۔ لیکن ساتواں عنصر اس خلاء پر نظر جمائے دیکھتا رہا۔ جو ایک پس منظر کے طور پر ہر چیز کے پیچھے موجود ہے۔

*****

جنگ

ایک رات قصر شاہی میں ایک دعوت ہوئی۔ اس موقع پر ایک آدمی آیا اور اپنے آپ کو شہزادے کے حضور میں پیش کیا۔ تمام مہمان اس کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ باہر نکل آئی ہے اور خالی جگہ سے خون بہہ رہا ہے۔

شہزادے نے اس سے پوچھا ''کہ تم پر کیا واردات گزری؟''

اس نے جواب دیا۔

''عالی جاہ میں ایک پیشہ ور چور ہوں اور آج شب جب کہ چاند ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ میں ساہوکار کی دوکان لوٹنے کے لئے گیا لیکن غلطی سے جلاہے کے گھر میں داخل ہو گیا۔ جوں ہی میں کھڑکی سے کودا میرا سر جلاہے کے کرگھے کے ساتھ ٹکرایا۔ اور میری آنکھ پھوٹ گئی۔

اے شہزادے اب میں اس جلاہے کے معاملے میں انصاف چاہتا ہوں......

یہ سن کر شہزادے نے جلاہے کو طلب کیا۔ اور یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کی ایک آنکھ نکال دی جائے۔

جلاہا بولا۔

''ظلِ سبحانی آپ کا یہ فیصلہ درست ہے کہ میری ایک آنکھ نکالی جانی چاہئے۔ لیکن میرے کام میں دونوں آنکھوں کی ضرورت ہے تاکہ میں اسے کپڑے کی دونوں اطراف دیکھ سکوں جسے میں بنتا ہوں...... میرے پڑوس میں ایک موچی ہے جس کی دونوں آنکھیں سلامت ہیں اس کے پیشے میں ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں......''

یہ سن کر شہزادے نے موچی کو طلب کیا وہ آیا اور اس کی دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ نکال دی گئی۔

اس طرح انصاف کا تقاضا پورا ہو گیا۔

*****

لومڑی

ایک لومڑی نے صبح کے وقت اپنے سائے پر نظر ڈالی اور کہا مجھے آج ناشتے کے لئے ایک اونٹ ملنا چاہیے۔''

وہ تمام صبح اونٹ کی تلاش میں سرگرداں رہی لیکن جب دوپہر کو اس نے دوبارہ اپنا سایہ دیکھا تو کہا۔

''میرے لئے ایک چوہا ہی کافی ہوگا.....''

*****

دانشمند بادشاہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شہر پر جس کا نام ویرانی تھا۔ ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ جو بڑا بہادر اور دانش مند تھا اس کی بہادری کی وجہ سے لوگ اس سے ڈرتے تھے اور اس کی دانش مندی کی وجہ سے اسے پیار کرتے تھے۔

اس شہر کے وسط میں ایک کنواں تھا جس کا پانی بہت ٹھنڈا اور موتی کی طرح شفاف تھا۔ شہر کے تمام لوگ بلکہ خود بادشاہ اور اس کے درباری اسی کنوئیں میں سے پانی پیتے تھے۔ کیونکہ اس کے سوا شہر میں اور کوئی کنواں نہ تھا۔ ایک رات جب تمام لوگ محو خواب تھے ایک ساحرہ شہر میں داخل ہوئی اور ایک عجیب دوائی کے سات قطرے کنوئیں میں ڈال دیئے اور کہا۔ ''اس کے بعد جو شخص یہ پانی پیئے گا وہ دیوانہ ہو جائے گا۔''

دوسرے دن بادشاہ اور اس کے وزیروں کے سوا شہر کے تمام باشندوں نے کنوئیں کا پانی پیا اور ساحرہ کی پیش گوئی کے مطابق دیوانے ہو گئے۔

اس دن شہر کے تنگ گلی کوچوں اور بازاروں میں لوگ ایک دوسرے کے کان میں یہی کہتے رہے کہ ہمارے بادشاہ اور وزیراعظم کی عقل ماری گئی ہے اور ہم اس اپاہج بادشاہ کی حکومت برداشت نہیں کر سکتے اور اسے تخت سے علیحدہ کر دیں گے۔

جب شام ہوئی تو بادشاہ نے سونے کے ایک برتن میں اس کنوئیں سے پانی منگوایا جب پانی آیا تو اس نے اسے خود بھی پیا اور اپنے وزیراعظم کو بھی پلایا پھر کیا تھا۔ شہر ویرانی میں خوشی کے شادیانے بجنے شروع ہو گئے کیونکہ لوگوں نے دیکھا کہ ان کے بادشاہ اور وزیراعظم کا دماغ درست ہو گیا ہے۔

*****

بلند ارادے

تین آدمی ایک قہوہ خانے کی میز پر ملے ان میں سے ایک جلاہا دوسرا بڑھئی اور تیسرا ایک گورکن تھا۔

جلاہے نے کہا......"میں نے آج ایک نفیس لٹھے کا کفن دو اشرفیوں میں بیچا ہے۔ آؤ ہم سب دل کھول کر شراب پئیں۔"

بڑھئی نے کہا۔"میں نے آج ایک بڑا اعلیٰ تابوت بیچا ہے اس لئے ہم شراب کے ساتھ شامی کباب بھی کھائیں گے۔"

گورکن نے کہا۔

"میں نے آج صرف ایک ہی قبر کھودی ہے لیکن مرحوم کے ورثاء نے مجھے دگنے پیسے دیئے ہیں آؤ ہم تھوڑے رس گلے بھی منگوائیں۔"

رات قہوہ خانے میں دیر تک رونق رہی اور تینوں شخص شراب کباب اور مٹھائی اڑاتے رہے۔ کیونکہ وہ تینوں مخمور و مسرور تھے۔

دوکان کا مالک خوش ہو ہو کر اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اس کے گاہک بے دریغ صرف کر رہے تھے۔

جب وہ قہوہ خانے سے نکلے تو چاند طلوع ہو چکا تھا۔

سڑک پر گاتے چلاتے اور زور زور سے باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔

کلاں اور کلالن قہوہ خانے کے دروازے پر کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے۔

کلالن نے کہا۔"یہ لوگ کتنے آزاد اور خوش باش ہیں اگر یہ روز اسی طرح آئیں تو ہمارے بیٹے کو شراب کی دوکان پر سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اور ہم اپنی آمدنی سے اسے اعلیٰ تعلیم دلا سکتے ہیں اور وہ ایک پادری بن سکتا ہے۔"

*****

بڑا سمندر

میں اور میری روح بڑے سمندر پر نہانے کے لئے گئے۔ تو ہم ایک پوشیدہ اور تنہا مقام تلاش کرنے لگے لیکن جونہی ہم روانہ ہوئے۔ ہم نے ایک چٹان پر ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا۔ جو اپنے تھیلے میں سے چٹکی چٹکی نمک نکال کر سمندر میں پھینک رہا تھا میری روح نے کہا۔

"یہ شخص قنوطی ہے۔ آؤ یہ جگہ چھوڑ دیں...... ہم یہاں نہیں نہا سکتے......"

ہم آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ ہم ایک ٹاپو کے پاس پہنچے وہاں ہم نے ایک آدمی کو سفید چٹان پر کھڑے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک جڑاؤ ڈبہ تھا۔ جس میں سے وہ کھانڈ نکال کر سمندر میں پھینک رہا تھا۔

میری روح نے کہا۔ "یہ ایک رجائی ہے اس لئے یہ بھی ہمارے برہنہ جسم کو نہ دیکھے......"

ہم اور آگے بڑھے، تو ہم نے ساحل پر ایک آدمی کو دیکھا جو مری ہوئی مچھلیاں چن چن کر بڑی نرم دلی سے انہیں دوبارہ پانی میں پھینک رہا تھا۔

میری روح نے کہا...... "ہم اس کے سامنے نہیں نہا سکتے کیونکہ یہ ایک مخیّر ہے......"

"ہم اور آگے بڑھے اور وہاں پہنچے جہاں ایک آدمی ریت پر اپنے سائے کا نقش اتار رہا تھا۔ سمندر کی بے پناہ لہریں آتیں اور اس نقش کو مٹا دیتیں لیکن وہ برابر نقش بنانے میں مصروف تھا،

میری روح نے کہا۔ "یہ شخص صوفی ہے آؤ اسے چھوڑ دیں۔"

ہم آگے بڑھے اور سمندر کے کنارے ایک آدمی کو دیکھا جو جھاگ کو اکٹھا کر کے ایک سیاہ برتن میں ڈال رہا تھا۔

میری روح نے کہا...... "یہ ایک حقیقت پرست ہے اور اسے ہماری برہنگی کا نظارہ نہیں کرنا چاہیے۔"

ہم اور آگے بڑھے دفعتاً ہم نے ایک آواز سنی...... "یہ سمندر ہے گہرا، وسیع اور پُرشوکت اور جب ہم اس آواز کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی سمندر کی طرف پیٹھ کئے کھڑا ہے اور ایک سیپ کو کان سے لگائے اس کی آواز سن رہا ہے۔

میری روح نے کہا...... "چلو یہاں سے چلیں یہ ایک ظاہر پرست ہے جو کسی بات کی پوری حقیقت نہ سمجھنے پر اپنی توجہ اس کے کس جزو پر مرتکز کر دیتا ہے۔"

اس طرح ہم آگے بڑھتے گئے۔ حتیٰ کہ ہم نے ایک آدمی کو ریت میں سر دبائے دیکھا۔ میں نے اپنی روح سے کہا...... "ہم یہاں نہا سکتے ہیں کیونکہ یہ شخص ہمیں نہیں دیکھ سکتا۔"

میری روح نے کہا...... "نہیں یہ تو ان سب سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ ایک یوگی ہے......"

تب میری روح کے چہرے پر گہری اداسی چھا گئی، اور اس نے غمناک آواز میں کہا۔ "آؤ ہم یہاں سے چلیں، کیونکہ یہاں کوئی علیحدہ اور پوشیدہ جگہ نہیں ہے جہاں ہم نہا سکیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ہوا میرے سنہری کاکلوں کے ساتھ کھیلے یا میں اپنا سینہ اس ہوا میں برہنہ کروں یا روشنی کو اجازت دوں کہ وہ میرے پوتر جوبن کو عریاں کرے۔"

تب ہم اس سمندر کو چھوڑ کر ایک بڑے سمندر کی تلاش میں نکلے۔"

*****

مصلوب

میں نے لوگوں سے چلا کر کہا۔ ''میں سولی پر چڑھوں گا۔''

انہوں نے کہا..... ''ہم تمہارا خون اپنی گردن پر کیوں لیں.....''

میں نے جواب دیا..... کہ تم دیوانوں کو مصلوب کئے بغیر کیسے ترقی کر سکتے ہو.....؟''

انہوں نے میری بات مان لی اور مجھے مصلوب کر دیا..... اور مصلوبیت نے مجھے مطمئن کر دیا۔

اور جب میں سولی پر لٹک رہا تھا تو انہوں نے مجھے دیکھنے کے لئے اپنے سر اوپر اٹھائے۔ اس طرح وہ سر بلند ہو گئے کیونکہ اس سے پہلے ان کا سر کبھی اوپر نہ اٹھا تھا۔

لیکن جب وہ میری طرف سر اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ تو ایک نے پوچھا..... ''تم کس چیز کا کفارہ ادا کر رہے ہو؟''

دوسرا چلایا..... ''تم نے کس مقصد کے لئے اپنی جان قربان کی.....؟''

تیسرے نے کہا..... ''کیا تو خیال کرتا ہے کہ تو اس قیمت پر حیات جاوداں حاصل کر لے گا؟''

میں نے ان سب کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم صرف اتنا ہی یاد رکھو..... کہ میں مسکراتا تھا، میں نے کفارہ ادا نہیں کیا، قربانی نہیں دی اور نہ میں شہرت چاہتا ہوں تم نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا جسے میں معاف کروں، میں پیاسا تھا اور میں نے تم سے التجا کی کہ تم میرا خون مجھے پلا دو، کیونکہ ایک دیوانے کی پیاس اس کے خون کے سوا اور کسی چیز سے نہیں بجھ سکتی میں گونگا تھا اور وہاں زخم پیدا کرنے کے لئے گھاؤ چاہتا تھا میں تمہارے لیل و نہار میں مقید تھا۔ اور میں نے بہتر دنوں اور راتوں کے لئے دروازہ تلاش کیا، اب میں جاتا

ہوں جس طرح دوسرے مصلوب جا چکے ہیں اور یہ نہ سمجھنا کہ ہم دار پر چڑھنے سے اکتا چکے ہیں کیونکہ ہم اس سے بڑی زمینوں اور بڑے آسمانوں کے درمیان اس سے زیادہ ہجوم کے ساتھ بار بار سولی چڑھائے جائیں گے۔“

*****

نجومی

میں اور میرے دوست نے معبد کے زیر سایہ ایک اندھے آدمی کو بیٹھے دیکھا، اور میرے دوست نے کہا...... "ہمارے ملک کے سب سے بڑے دانشمند کو دیکھو......"

میں نے اپنے دوست کو وہیں چھوڑا، اور اندھے آدمی کی طرف بڑھ کر اسے سلام کیا اور اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا۔ "اس سوال کے لئے مجھے معاف رکھیے گا لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اندھے کب سے ہوئے؟"

اس نے جواب دیا "یوم ولادت سے"

میں نے کہا...... "اور آپ کون سے مذہب کے پیرو ہیں"

اس نے کہا۔ "میں ایک کاہن ہوں"

پھر اس نے چھاتی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں ان تمام اجرام فلکی، سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھتا رہتا ہوں۔"

*****

بڑی تمنا

یہاں میں اپنے بھائی ''پہاڑ اور اپنی بہن'' سمندر کی موج کے درمیاں بیٹھا ہوں......''

ہم تینوں تنہائی میں ایک جیسے ہیں اور جس محبت نے ہمیں آپس میں باندھ رکھا ہے، وہ گہری، مضبوط اور انوکھی ہے ہاں اس کی گہرائی میری بہن کی گہرائی سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس کی قوت کے آگے میرے بھائی کی طاقت کوئی چیز نہیں اور وہ میری دیوانگی سے بھی زیادہ نرالی ہے۔

صدیاں گزر چکی ہیں، جب کہ پہلے دھند لکے نے ہمیں ایک دوسرے سے روشناس کیا اور اگر چہ ہم کتنی ہی دنیاؤں کی پیدائش جوانی اور فنا کا منظر دیکھ چکے ہیں۔ پھر بھی ہم جوان اور آرزو مند ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم تنہا ہیں...... کوئی ہمیں ملنے کے لئے نہیں آتا۔

اور اگر چہ ہم ایک مسلسل آغوش میں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ہمیں چین نہیں، بھلا دبی ہوئی خواہشوں اور بے چین دلوں کے لئے چین کہا؟

وہ اگن دیو کہاں سے آئے گا جو میری بہن کے بستر کو گرما سکے۔ اور وہ کون سی لہر ہے جو میرے بھائی کے دل کی آگ کو ٹھنڈا کرے گی؟

اور وہ کون سی حسینہ ہے جو میرے دل پر حکومت کرے گی؟

رات کے سناٹے میں میری بہن نیند کے عالم میں اگن دیو کی یاد میں بڑبڑاتی رہتی ہے، اور میرا بھائی اس دل کو ٹھنڈک پہنچانے والی دیوی کو پکارتا رہتا ہے۔ لیکن میں نیند کے عالم میں کسے بلاتا ہوں، مجھے معلوم نہیں۔

یہاں میں اپنے بھائی ''پہاڑ'' اور بہن سمندر کی موج کے درمیان بیٹھا ہوں...... ہم تینوں تنہائی میں ایک جیسے ہیں اور جس محبت نے ہمیں آپس میں باندھ رکھا ہے، وہ گہری، مضبوط اور انوکھی ہے۔

*****

گھاس کے ایک تنکے نے کہا

گھاس کے ایک تنکے نے خزاں رسیدہ پتے سے کہا۔ ''تم گرتے وقت شور کیوں مچاتے ہو؟ تمہارے اس شور نے میرے بہاریں خواب کو پریشان کر دیا ہے۔''

پتا غصے میں بھر کر بولا...... ''او نیچ ذات کے، پستی میں رہنے والے، موسیقی سے بے بہرہ، چڑچڑے تنکے، جب تو اونچی ہوا میں نہیں رہتا تو تو راگ کی لے کو کیا جانے؟

پھر خزاں رسیدہ پتا زمین پر سو گیا، اور جب بہار آئی تو اس کی آنکھ کھلی۔ مگر اب وہ گھاس کا تنکا بن چکا تھا۔

جب پھر خزاں آئی اور اس پر دوسرے پتے گرنے لگے تو اس نے آہستہ سے کہا...... ''یہ خزاں رسیدہ پتے کتنا شور مچاتے ہیں، اور میرے شیریں خواب کو پریشان کر دیتے ہیں......''

*****

چہرے

میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا ہے جس کے ہزاروں رخ ہیں اور ایک ایسا چہرہ بھی دیکھا ہے جو صرف ایک قالب میں ڈھالا ہوا نظر آتا تھا۔

میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا ہے جس کی چمک دمک کی تہہ میں مجھے بدنمائی نظر آئی۔ اور ایسا چہرہ بھی جس کی روشنی حسن و جمال کو چھپا رہی تھی۔ مجھے ایک بوڑھا چہرہ بھی نظر آیا جس پر بے معنی جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔

اور ایک صاف چہرہ بھی دیکھا جس پر تمام باتیں نقش تھیں۔ میں ان تمام چہروں سے واقف ہوں کیونکہ میرا تار نگاہ اپنے بنے ہوئے پردوں کے پار چلا جاتا ہے اور چھپی ہوئی حقیقت کو پالیتا ہے۔

*****

دو عالم

ایک شہر میں دو عالم رہتے تھے جو آپس میں شدید اختلافات رکھتے تھے اور ایک دوسرے کی قابلیت کا مضحکہ اڑاتے تھے، ان میں سے ایک دہریہ تھا اور دوسرا خدا پرست۔ ایک دن دونوں بازار میں ملے اور اپنے اپنے معتقدوں کی موجودگی میں خدا کے وجود اور عدم وجود پر بحث کرنے لگے گھنٹوں مناظرہ کرنے کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اسی شام دہریہ مسجد میں گیا اور اپنے سابقہ گناہوں کی معافی کے لئے خدا سے التجا کی۔

دوسرے عالم نے فوراً اپنی کتابیں جلا دیں۔ کیونکہ اب وہ ایک دہریہ بن چکا تھا۔

*****

ہیکل کی سیڑھیوں پر

کل شام ہیکل کی سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر میں نے ایک عورت کو دو مردوں کے درمیان بیٹھے دیکھا۔

اس کا ایک گال زرد اور دوسرا حیا سے سرخ تھا۔

*****

متبرک شہر

میں اپنی جوانی کے زمانے میں سنا کرتا تھا۔ کہ ایک ایسا شہر ہے جس کے باشندے آسمانی صحیفوں کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

میں نے کہا ''میں اس شہر کو ضرور تلاش کروں گا اور اس سے برکت حاصل کروں گا۔''

یہ شہر بہت دور تھا۔ میں نے اپنے سفر کے لئے خوب سامان جمع کیا۔ چالیس دن کے بعد میں نے اس شہر کو دیکھا اور اکتالیسویں دن اس کے اندر داخل ہوا۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ اس شہر کے تمام باشندوں کا صرف ایک ہاتھ اور ایک آنکھ ہے۔ میں نے حیران ہو کر اپنے دل میں کہا۔ ''کہ اتنے متبرک شہر کے باشندوں کا صرف ایک ہاتھ اور ایک آنکھ!''

میں نے دیکھا کہ وہ خود بھی اس بات پر حیران ہیں، میرے دو ہاتھوں اور دو آنکھوں نے انہیں محو حیرت کر دیا۔ اس لئے جب وہ میرے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے تھے تو میں نے ان سے پوچھا۔

''کیا یہ وہی متبرک شہر ہے جس کا ہر باشندہ مقدس صحیفوں کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا۔

''ہاں یہ وہی شہر ہے۔''

میں نے کہا۔ ''تمہاری یہ حالت کیونکر ہوئی؟ تمہاری داہنی آنکھیں اور داہنے ہاتھ کیا ہوئے؟''

وہ سب میری بات سے بہت متاثر ہوئے اور مجھ سے کہا۔

آ، اور دیکھ......

وہ مجھے شہر کے ایک معبد میں لے گئے۔ جو اس کے وسط میں واقع تھا۔ میں نے اس معبد کے صحن میں ہاتھوں اور آنکھوں کا ایک انبار لگا ہوا دیکھا۔ وہ سب گل سڑ رہے تھے پھر میں نے کہا۔

''افسوس کس سنگ دل فاتح نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟''

اس پر انہوں نے زیر لب گفتگو شروع کی اور ایک بوڑھے آدمی نے آگے بڑھ کر مجھ سے کہا...... ''یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ خدا نے ہمیں اپنی برائیوں پر فتح دی ہے......''

یہ کہہ کر وہ مجھے ایک اونچے منبر پر لے گیا۔ باقی تمام لوگ ہمارے پیچھے تھے پھر اس نے منبر کے اوپر ایک تحریر دکھائی جس کے الفاظ یہ تھے۔

> اگر تمہاری داہنی آنکھ تمہیں ٹھوکر کھلائے تو اسے باہر نکال پھینکو، کیونکہ سارے جسم کے دوزخ میں پڑنے سے ایک عضو کا ضائع ہونا بہتر ہے۔
> اور اگر تمہارا دانا ہاتھ تمہیں برائی پر مجبور کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دو تا کہ تمہارا صرف ایک عضو ضائع ہو جائے اور سارا جسم دزوخ میں نہ پڑے۔

(انجیل)

یہ عبارت پڑھ کر مجھ کو ساری حقیقت معلوم ہو گئی میں نے منہ موڑ کر تمام لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا۔ ''کیا تم میں کوئی آدمی یا عورت نہیں جس کے دو ہاتھ اور دو آنکھیں ہوں۔''

ان سب نے جواب دیا ''نہیں کوئی نہیں، یہاں ان بچوں کے سوا جو کمسن ہونے کی وجہ سے اس کتبہ کو پڑھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے قاصر ہیں۔ کوئی شخص صحیح و سالم نہیں۔''

جب ہم معبد سے باہر آئے تو فوراً اس متبرک شہر سے بھاگ نکلا کیونکہ میں کمسن نہ تھا اور اس کتبے کو بخوبی پڑھ سکتا تھا۔

*****

نیکی اور بدی کا فرشتہ

نیکی اور بدی کے فرشتے پہاڑ کی چوٹی پر ملے۔

نیکی کے فرشتے نے کہا "یا اخی، صبح بخیر......"

بدی کا فرشتہ خاموش رہا۔

نیکی کے فرشتے نے کہا۔ "آج آپ کا مزاج کچھ اچھا نظر نہیں آتا۔"

بدی کے فرشتے نے کہا۔ "ایک عرصہ سے لوگ مجھے تمہاری جگہ سمجھ لیتے ہیں۔ تمہارے ہی نام سے پکارتے ہیں اور تمہاری طرح سلوک کرتے ہیں، یہ بات مجھے سخت ناپسند ہے۔"

نیکی کے فرشتے نے کہا...... "لیکن مجھے تمہاری جگہ سمجھ لیا جاتا ہے اور تمہارے ہی نام سے پکارا جاتا ہے۔"

یہ سن کر بدی کا فرشتہ انسان کی حماقت پر نفرین کرتے ہوئے چلا گیا۔

*****

شکست

شکست..... میری شکست..... میری تنہائی اور علیحدگی۔
تو مجھے ہزاروں فتوحات سے زیادہ عزیز ہے۔
ہاں تو مجھے دنیا کی تمام شوکتوں سے زیادہ عزیز ہے۔
شکست..... میری شکست..... میرے شعور ذات اور میری جرات مقابلہ۔
تو نے مجھے سمجھایا کہ میں ابھی نوجوان اور تیز گام ہوں اور کامیابی کے مرجھائے ہوئے پھولوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔
میں نے تجھی سے تنہائی کا مزہ پایا ہے۔
اور لوگوں کے مجھ سے اجتناب کرنے اور نفرت کی نظر سے دیکھنے کی مسرت حاصل کی ہے۔
شکست..... میری شکست..... میری چمکتی ہوئی تلوار اور ڈھال۔
میں نے تیری آنکھوں میں یہ پڑھا ہے۔
کہ تاج شاہی دراصل غلامی کا نشان ہے۔
دوسروں سے پہچانے جانا خاک میں مل جانے کے مترادف ہے۔
اور کسی کی سمجھ میں آ جانا پھلنے پھولنے کی آخری حد ہے۔
اور اس کے بعد پکے ہوئے پھل کی طرح نیچے گر کر گل سڑ جانا ہے۔
شکست..... میری شکست..... میری بے باک مددگار
تو میرے گیت، میری فریادیں اور میری سکوت کی آواز سنے گی صرف تو میرے ساتھ پروں کی پھڑ پھڑاہٹ۔
سمندروں کے ہیجان

اوران پہاڑوں کے شور کا ذکر کرے گی جورات کو جلتے ہیں۔صرف تو ہی میری روح کی بلند
اور عموددار گھاٹی پر چڑھے گی شکست...... میری شکست...... میری نہ مٹنے والی جرات۔
ہم دونوں طوفان کے ساتھ قہقہے لگائیں گے۔
اور ہم اپنے دل میں مرنے والے جذبات کے لئے قبریں کھودیں گے۔
ہم دھوپ میں پکے ارادے کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔
اور ہمارا وجود دنیا کے لئے خطرناک ثابت ہوگا۔

*****

دوسادھو

ایک پہاڑ پر دو سادھو رہتے تھے۔ان کا کام خدا کی عبادت اور آپس میں پیار و محبت کے ساتھ رہنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ان کے پاس مٹی کا ایک پیالہ تھا......اور یہی ان دونوں کی کائنات تھی۔

ایک دن بڑے سادھو کے دل میں بدی کی روح داخل ہوئی وہ چھوٹے سادھو کے پاس آیا اور اس نے کہا۔"ہم دونوں کو اکٹھے رہتے ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے اور اب جدا ہونے کا وقت آ پہنچا ہے اس لئے آؤ ہم اپنی جائیداد تقسیم کر لیں۔چھوٹے سادھو نے مغموم ہو کر کہا۔
"بھائی تمہاری جدائی کا خیال میرے دل پر شاق گزر رہا ہے لیکن اگر تم جانا ہی چاہتے ہو،تو خیر یونہی سہی......"

یہ کہہ کر اس نے وہ پیالہ بڑے سادھو کے سامنے لا کر رکھ دیا،اور کہا۔"ہم اسے آپس میں بانٹ نہیں سکتے اس لئے یہ پیالہ آپ ہی لے لیں......"

بڑے سادھو نے کہا"نہیں میں خیرات نہیں مانگنا چاہتا۔میں اپنے حصے کے سوا اور کچھ نہ لوں گا......ہمیں یہ پیالہ آپس میں تقسیم کرنا پڑے گا۔"

چھوٹے سادھو نے کہا......اگر یہ پیالہ ٹوٹ گیا،تو یہ ہمارے کس کام آئے گا؟اگر تم پسند کرو تو آؤ ہم قرعہ ڈال کر اس کا فیصلہ کر لیں......"

لیکن بڑے سادھو نے دوبارہ کہا۔"میں صرف وہی چیز لوں گا جسے انصاف میری ملکیت قرار دے اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ انصاف کو قسمت پر چھوڑ دیا جائے۔ہمیں یہ پیالہ ضرور تقسیم کرنا پڑے گا......"

اس پر چھوٹے سادھو سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔اور اس نے کہا......"اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو لاؤ اسے توڑ ڈالیں۔"

یہ سن کر بڑے سادھو کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔اور وہ چلا کر بولا۔
"او بزدل انسان،کیا تو اس پیالے کے لئے میرے ساتھ لڑے گا بھی نہیں......

*****

رات اور پاگل

پاگل: ”میں تیرے جیسا ہوں، اور رات! تاریک اور برہنہ اور میں ایک ایسے آتشیں راستے پر چلتا ہوں جو میرے دن کے خوابوں سے بلند ہے اور جب میرا پاؤں زمین کو چھوتا ہے تو اس سے ایک فلک بوس شاہ بلوط کا درخت اُگ پڑتا ہے۔

رات: ”نہیں دیوانے! تو میرے جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ تو اب بھی پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے کہ تو نے ریت پر اپنے پاؤں کے کتنے بڑے نشان چھوڑے ہیں۔“

پاگل: ”اے رات میں تیری طرح خاموش اور عمیق ہوں اور میرے تنہائیوں کے دل میں ایک دیوی زچگی کے عالم میں بیٹھی ہے اور جو بچہ اس کے بطن سے پیدا ہوگا۔ اس میں بہشت اور دوزخ یکجا ہوں گے۔“

رات: ”نہیں او دیوانے تو میرے جیسا نہیں، کیونکہ تو درد کے تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہے، اور دوزخ کا گیت تجھے ڈرا دیتا ہے۔“

پاگل: اور رات! میں تیری طرح وحشی اور خوفناک ہوں، کیونکہ میرے کانوں میں شکست خوردہ قوموں کی چیخیں اور بھولے ہوئے ملکوں کی یاد میں اُبھرنے والی آہیں گونج رہی ہیں۔

رات: ”نہیں او دیوانے تو میرے جیسا نہیں ہے، کیونکہ تو اپنے چھوٹے من کو اپنا ساتھی بنالیتا ہے لیکن اپنے بڑے من سے دوستی نہیں رکھتا۔

پاگل: اور رات میں تیری جابر اور قاہر ہوں، کیونکہ میرا سینہ سمندر پر چلنے والے جہازوں سے روشن ہے اور میرے ہونٹ مقتول بہادروں کے خون سے تر ہیں.....“

رات: ”نہیں او دیوانے تو مجھ ایسا نہیں ہے کیونکہ تیرے دل میں ابھی ایک ہم نفس کی تمنا بے تاب ہے اور تو اپنے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہیں کرسکتا.....“

پاگل: ''اے رات میں تیری طرح مسرور اور شاد ماں ہوں، کیونکہ جو شخص میرے سائے میں آباد ہے وہ ایک اچھوتی شراب سے بدمست ہے اور وہ عورت جو میرا تعاقب کرتی ہے خوشی سے گناہ کرتی ہے۔

رات: ''نہیں او دیوانے تو مجھ ایسا نہیں ہے کیونکہ تیری روح سات پردوں میں ملفوف ہے اور تیرا دل تیرے قابو میں نہیں......''

پاگل: ''اے رات میں تیری طرح صابر اور پُر جوش ہوں، کیونکہ میرے سینے میں ہزاروں عاشق مرجھائے ہوئے بوسوں کا کفن پہنے ہوئے مدفون ہیں......''

رات: ''او دیوانے کیا تو مجھ ایسا ہے؟ کیا تو طوفان کو گھوڑا بنا کر سواری کر سکتا ہے اور بجلی کو تلوار کی مانند ہاتھ میں لے سکتا ہے؟

پاگل: ''ہاں اے رات میری تیری طرح پُر شکوہ اور سربلند ہوں میرا تخت گرے ہوئے دیوتاؤں کے ڈھیر پر بنا ہے اور دن میرا دامن چومنے کے لئے میرے سامنے سے گزرتے ہیں لیکن میرے چہرے کو کبھی نہیں دیکھ سکتے۔''

رات: ''میرے تاریک دل کے فرزند کیا تو مجھ ایسا ہے؟ کیا تو میرے بے قابو خیالات کو اپنے اختیار میں لا سکتا ہے اور میری وسیع زبان بول سکتا ہے......؟''

پاگل: ''ہاں اے رات، ہم توام ہیں، کیونکہ تو فضا آشکار کرتی ہے اور میں اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہوں......''

*****